بیادِ امامِ اہلِ سنت مجددِ دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز

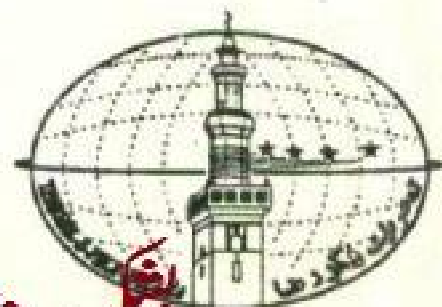
سہ ماہی ممبئی

افکار رضا

جھوٹے صوفیوں کے خلاف حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ کا جہاد، سائنس، ریاضی اور دیگر علومِ جدیدہ کے حوالے سے آپ کی خدمات اور بدعات و منکرات کے خلاف آپ کا بھرپور حملہ اور سب سے بڑی بات یہ کہ انگریز کے خود کاشتہ پودے مرزا قادیانی کے خلاف سب سے پہلے آوازِ حق بلند کرنا اور انگریز کی اس سازش کا منہ توڑ جواب دینا جو عظمت و ناموسِ رسالت کے خلاف تھی اور جس کا مقصد مسلمانوں کو اندر سے کھوکھلا کر کے محض نام کا مسلمان باقی رکھنا تھا تاکہ انگریز کیلئے اس قوم کا مقابلہ آسان ہو، یہ تمام کارہائے نمایاں انجام دینے کیلئے حضرت امام احمد رضا بریلوی ایک انجمن کی صورت میں میدان میں موجود تھے۔ اور الحمدللہ! محبت رسول ﷺ کی جو شمع آپ نے فروزاں کی تھی اس کی روشنی چار دانگ عالم میں "مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام" کے نغمۂ جانفزا کی صورت میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔

(مولانا محمد صدیق ہزاروی۔ پاکستان)

تحریک فکر رضا



۱۶۷، ڈم ٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸ (انڈیا)

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

R.N.I. REGISTRATION NO. : 71248/99

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

برصغیر میں فکر امام احمد رضا کا باوقار جریدہ

سہ ماہی ممبئی

افکار رضا

اپریل تا جون ۲۰۰۱ء

جلد ۷ شمارہ ۲ (۲۴)

محرم الحرام تا ربیع الاول ۱۴۲۲ھ

مدیر: محمد زبیر قادری

منیجر: محمد اسحٰق برکاتی

رابطہ کا پتہ: Address :

Tehreek-e-Fikr-e-Reza

167, Dimtimkar Road,

Nagpada, Mumbai - 400 008.

INDIA

TEL : 343 98 63

Distributed in Pakistan By:

Markazai Majlis-e-Riza

P.o.Box: 2206, Lahore, Pakistan

Distributed in England By;

THE ISLAMIC TIMES

C/o. 138, Northgate Road,

Edgeley, Stockport, SK3 9NL

ENGLAND

فہرست

email: zubairqadri@india.com

پرنٹر پبلشر: محمد اسحٰق محمد عمر نے پرنٹ ٹاپ پرنٹنگ پریس 18، شنکر بلڈنگ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 008 400 سے چھپوا کر دفتر 167، ڈم ٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 008 400 سے شائع کیا۔

اداریہ اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا **محمد زبیر قادری**

دارالعلوم منظرِ اسلام کا صد سالہ جشن

۱۳۲۲ھ تا ۱۴۲۲ھ

مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے زوالِ اقتدار کے ساتھ ہی ہندوستان سے مسلمانوں کا آٹھ سو سالہ دورِ اقتدار ختم ہوا۔ اقتدار کا خاتمہ کیا ہوا کہ مسلمان ایک معتوب قوم بن گئی۔ انگریزوں نے ہندوستان جنت نشان پر غاصبانہ قبضہ اور تسلط کے لیے یہاں کے غیر مسلموں کو یہ باور کرایا کہ مسلمان تمہارے دشمن نمبر ایک ہیں اور ان کی یقین دہانی کے لیے آپس میں ناچاقی پیدا کردی اور فسادات کروائے۔ یہاں کے کچے ذہن کے لوگ بھی بہت جلد ان کی باتوں میں آکر مسلمانوں کے دشمن بن گئے یہ نہ سوچا کہ مسلمانوں نے صدیوں ہندوستان میں حکومت کی ہے اگر وہ دشمن ہوتے تو آسانی سے طاقت اور تلوار سے انھیں ختم کرسکتے تھے اس کے باوجود انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

فرنگیوں نے سب سے خطرناک حربہ جو مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا وہ تھا توہینِ رسالت کا۔ ایسے فرقوں کو کھڑا کیا جنھوں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کا بیڑا اُٹھایا اور مسلمانوں کے اتحاد، اتفاق اور قوت کو پارہ پارہ کردیا۔ اقتدار سے بے دخلی کے بعد مسلمان اتنے کمزور نہیں ہوئے تھے جتنا ان فتنوں کے سر اُٹھانے سے کمزور ہوئے۔

فرنگیوں نے قبضہ جماتے ہی دین و دنیا کی نئی اصطلاحات پیدا کیں۔ اور مسلمانوں کو دین سے دور کرنے کے لیے تعلیم کو دینی و دنیوی دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ دنیوی تعلیم یافتہ افراد کو روزگار کا لالچ دیا اور دین کے عالموں کو بے وقعت ٹھہرایا۔ نتیجۃً مسلمان روزی روٹی کے چکر میں دینی تعلیم چھوڑ کر دنیوی تعلیم کے حصول میں لگ گئے۔ اور دین سے دور ہونے لگے مگر دنیا بھی ان کے ہاتھ میں نہیں آئی۔

جب انگریزوں کی ریشہ دوانیاں، بدمذہب فرقوں کی فتنہ سامانیاں بڑھنے لگیں اور دینی تعلیم کا مستقبل بھی تاریک نظر آنے لگا تو ایک ایسے دارالعلوم کا قیام ناگزیر ہوگیا جہاں پر اسلامی تشخص کی بقا، اسلامی تعلیمات کا ابلاغ، اسلام کے صحیح عقائد ونظریات کا دفاع اور ترویج واشاعت کی جاسکے۔ چنانچہ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء کو امام العصر، مجدد دین وملت، حضرت علامہ مفتی احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ایک ادارہ بنام ''دارالعلوم منظر اسلام'' قائم کیا۔ اس دارالعلوم کا نصاب امام احمد رضا نے اجل علما کی معاونت ومشوروں سے خود ترتیب دیا تھا۔ امام احمد رضا علوم کے جامع تھے اور انھیں ستر سے زائد علوم وفنون پر مہارت حاصل تھی اس لئے انہوں نے طلبہ کی فکری، اخلاقی اور روحانی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت کم عرصہ میں دارالعلوم منظر اسلام کی شہرت ملک کے کونے کونے

میں پہنچ گئی۔ یہاں حصولِ تعلیم کے لیے آنے والوں میں یوپی، بنگال، بہار، پنجاب، راجستھان، سرحد وغیرہ کے طلبہ بھی شامل ہو گئے۔ گزشتہ سو سالہ تاریخ کے اوراق کو کھنگالا جائے تو ہمیں یہاں کے اساتذہ و فارغین طلبا کی گرانقدر خدمات اور ہندوستانی مسلمانوں کے افکار ونظریات اور جدوجہد آزادی ہند کی تحریک پر اس کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ بظاہر دیکھنے میں منظر اسلام کوئی عظیم الشان عمارت' خوبصورت فرنیچر اور فرش وفروش سے آراستہ نظر نہیں آتا لیکن بڑی خاموشی اور آہستہ روی سے اس نے اسلام وسنیت کی جو خدمات کیں وہ سب سے عظیم تر ہیں۔ اس نے اسلام کے صحیح افکار ونظریات کا تحفظ کیا جو آج ہمارا اثاثہ ہے۔

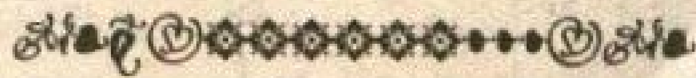
امسال صفر المظفر ۱۴۲۲ھ کو دارالعلوم منظر اسلام کے سو سال پورے ہو گئے ہیں۔ اس موقع پر ہمارے مرکز بریلی شریف سے دنیا بھر میں صد سالہ جشن کا اہتمام کرنے کی اپیل کی اور بریلی شریف میں اس کا اہتمام بھی کیا گیا' جو کہ از حد ضروری بھی ہے۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت کے ماننے والے کیا ہندوستان میں تھوڑے ہیں جو اس صد سالہ جشن کو اس کے شایانِ شان نہیں منا سکتے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے اس عظیم محسن کی قائم کردہ یادکو دنیا کے لیے یادگار نہیں بنا سکے۔ اس کی پہچان دنیا کے سامنے عظیم الشان عمارت نہ سہی ایک عظیم دینی تعلیمی ادارے کی حیثیت سے ہونی چاہیے تھی کیونکہ اس کا اہتمام خود امام احمد رضا نے کیا تھا۔ اس کا ابتدائی پچاس سالہ دور تو بہت تابناک تھا لیکن آزادیٔ ہند کے بعد کا دور اس قدر خوش کن نہیں رہا۔ اس کے کیا عوامل ہیں اربابِ اقتدار سے اپیل ہے کہ اس پر غور فرمائیں اور امام احمد رضا کے لگائے گئے اس پودے کو اس طرح پروان چڑھائیں کہ رہتی دنیا تک لوگ اس سے فیضیاب ہوں اور اس کو یاد رکھیں۔

حال ہی میں احقر نے پاکستان کا سفر کیا تو وہاں یہ دیکھ کر دلی خوشی ہوئی کہ دارالعلوم منظر اسلام کے صد سالہ جشن کا بہت اہتمام کیا جا رہا ہے۔ کئی رسائل اور جرائد خصوصی نمبر کی اشاعت کر رہے ہیں۔ وہاں کے بڑے اخباروں نے منظر اسلام کے صد سالہ جشن کی تقاریب سے متعلق خبریں بھی شائع کیں۔ مختلف علماء و اداروں نے صد سالہ جشن منانے کی اپیلیں بھی کیں۔ کثیر تعداد میں لوگ بریلی شریف آکر صد سالہ جشن میں شریک ہونا چاہتے تھے مگر ویزہ کی رکاوٹیں حائل رہیں۔ صرف ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کے صدر جناب مولانا سید وجاہت رسول قادری صاحب بریلی شریف آنے میں کامیاب ہو سکے۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا نے اس موقع پر ''دارالعلوم منظر اسلام۔ بریلی شریف'' ایک مختصر کتابچہ بھی شائع کیا۔ جسے صدر ادارہ ہندوستان ساتھ لیتے آئے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں کسی تنظیم نے صد سالہ جشن کی تشہیر کے لئے اسٹیکر شائع کیا تو کسی نے کی چین (Key Chain) بنا کر تشہیر میں حصہ لیا۔ غرض کہ مجھے یوں لگا جیسے دارالعلوم منظر اسلام وہیں کراچی یا لاہور میں کہیں ہے۔

اس کے برعکس ہندوستان میں سنیوں کی اکثریت بے خبر ہے کہ حضور اعلیٰ حضرت کے قائم

کردہ مدرسہ ''دارالعلوم منظر اسلام'' کو سو سال مکمل ہوگئے ہیں اور ہمیں اس کی صد سالہ جشن کی تقاریب منعقد کرنی چاہیے۔ اس کی تشہیر کے لیے مقدور بھر کوششیں کرنا چاہیے۔ مجھے حیرت تو یہاں کے ان سنی جریدوں پر ہے جنھوں نے خصوصی نمبر نکالنا تو دور رہا اس موقع پر کوئی چھوٹا سا مضمون بھی شائع نہیں کیا۔ صرف بریلی شریف سے ماہنامہ ''اعلیٰ حضرت'' کا خصوصی نمبر شائع ہوا ہے۔ جبکہ پاکستان میں کئی رسائل و جرائد نے خصوصی نمبر شائع کیے ہیں۔...... آخر اس بے توجہی کی وجہ کیا ہے۔ کیا امام احمد رضا صرف پاکستان والوں کے ہیں ...... پھر ہمارا یہ طرز عمل کیوں ہے......؟ یہاں بے خبری ہی بے خبری نظر آتی ہے۔ کیا منظر اسلام کی سو سالہ تاریخ کو اپنے اپنے مدارس یا رسائل کے ذریعہ اجاگر کرنا کوئی بڑا ہی مشکل کام ہے؟ کیا اپنے رسالوں میں خصوصی مضامین کی اشاعت کے لیے ہمیں زر کثیر کی ضرورت ہے۔ اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم کس قدر بکھرے ہوئے ہیں یہاں تک کہ اپنے امام کے قائم کردہ مدرسہ کو بھی کچھ اہمیت نہیں دیتے۔

امام احمد رضا نے جس نقطۂ نظر کے تحت اس دارالعلوم کی بنیاد رکھی تھی آج ہمیں شدت سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہورہا ہے۔ آج ہمیں پھر سے امام احمد رضا کی یاد آرہی ہے۔ ہم نے گزشتہ صدی میں دیکھا کہ امام احمد رضا کے افکار ہی حق و باطل میں نشانِ امتیاز ہیں۔ اسی لیے تمام باطل فرقے مسلسل امام احمد رضا کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں۔ امام احمد رضا کے افکار کو عرب و عجم میں یکساں طور پر مستند تسلیم کیا گیا ہے۔ اُن کے افکار میں امت مسلمہ کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ جن پر عمل پیرا ہوکر ہم اب تک کامیابیوں کی منازل طے کرتے آرہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں ان کے افکار کو پھیلانے میں مزید تیزی لانا ہوگا...... یہی اُن کی بارگاہ میں ہمارا سچا خراج عقیدت ہوگا۔ رب تعالیٰ ہمیں ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے افکار کی ترویج و اشاعت کے لیے غیب سے مدد فرمائے۔ آمین



بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

ترجمہ کنزالایمان کا لسانی جائزہ

از: ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی ریڈر و صدر اردو ایم۔ ایچ (پی۔ جی) کالج، مراد آباد (یو۔ پی)

سورۂ مائدہ

آیت ۳۳ علامہ محمود الحسن صاحب نے یوں ترجمہ کیا

''کاٹے جائیں اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے''

جب تک اس کی مزید تشریح نہ کی جائے، عام قاری کے لیے سمجھنا محال ہے۔ اسی لیے اُن کے شارح علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کو اس ترجمے پر حاشیہ لکھنا پڑا، انہوں نے حاشیے میں لکھا؛

''یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں''

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا؛

''کاٹیے اُن کے ہاتھ اور پاؤں مقابل کا''

علامہ نے اصلاح اور تجدید کے نام پر شاہ صاحب کے ترجمے سے بھی زیادہ ابہام پیدا کر دیا ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھا تھا؛

''ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں''

آیت ۳۸ علامہ محمود الحسن صاحب نے اس کے ایک جُز کا ترجمہ اس طرح رقم فرمایا؛

''اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کاٹ ڈالو اِن کے ہاتھ''.

اس ترجمے سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ اگر چہ اس میں دونوں یعنی چور مرد و عورت کا ذکر موجود ہے، لیکن ایسا کوئی لفظ موجود نہیں جس سے انہیں کے ہاتھ کاٹے جانے کا اشارہ ملتا ہو۔ کوئی شخص یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت میں چور مرد اور عورت کو مخاطب بنایا گیا ہے، جبکہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ یوں کیا تھا،

''اور جو کوئی چور ہو مرد یا عورت تو کاٹ ڈالو اُن کے ہاتھ''

اس ترجمے میں کوئی لفظ متروک بھی نہیں تھا اور نہ کوئی مشکل لفظ تھا۔ پھر اُس کو بدل کر علامہ صاحب نے کیوں ایسا ترجمہ کیا جو معنوی اعتبار سے ناقص ہے۔ یہ بات فہم سے باہر ہے۔ شاید اُن کے عقیدت مندوں کے پاس اس کا کوئی جواز ہو۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا۔

''اور جو مرد یا عورت چور ہو تو اُن کے ہاتھ کاٹو''

آیت ۴۱ جناب علامہ اس آیت کے ایک حصہ کا ترجمہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں؛

"وہ جاسوس ہیں دوسری جماعت کے، جو تجھ تک نہیں آئے بدل ڈالتے ہیں بات کو اُس کا ٹھکانہ چھوڑ کر"

اس اردو ترجمے کا عرفان کسی بھی اردو داں کے لیے ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ امام احمد رضا نے اس آیت کے اس حصے کا ترجمہ اس طرح فرمایا۔

"اور لوگوں کی خوب سنتے ہیں، جو تمہارے پاس حاضر نہیں ہوئے ان کی باتوں کو اُس کے ٹھکانوں کے بعد بدل دیتے ہیں۔"

آیت ۴۴ علامہ اس آیت کے ایک جُز کا ترجمہ اس طرح رقم فرماتے ہیں،

"مت خریدو میری آیتوں پر مول تھوڑا"

اس سے ملتے جلتے ایک ترجمے پر پہلے بھی اظہار خیال کیا جاچکا ہے۔ "مال خریدنا" تو پڑھا بھی ہے اور سنا بھی ہے، لیکن "مول خریدنا" نہ کہیں سُنا نہ پڑھا۔ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کی تجدید اور تسہیل کے مدعی ہونے کے باوجود صاف اور شستہ اردو لکھنے سے عاجز رہے، امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس کافی البدیہہ ترجمہ اس طرح املا کرایا؛

"میری آیتوں کے بدلے ذلیل قیمت نہ لو"

آیت ۴۸ علامہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت کے ایک حصے کا ترجمہ اس طرح کیا؛

"تم دوڑ کر خوبیاں لو"

یہ کیسی زبان ہے ہر اردو داں جانتا ہے، اس موقع پر شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں،

"تم بڑھ کر خوبیاں لو"

علامہ صاحب نے اپنے مقدمے میں یہی تحریر فرمایا تھا کہ مزید کسی ترجمۂ قرآن کی ضرورت نہیں۔ اس لیے شاہ صاحب کے ترجمے میں متروک الفاظ کی جگہ مرّوج الفاظ اور مشکل الفاظ کی جگہ آسان الفاظ لکھ دیے گئے ہیں۔ جناب علامہ نے اس ترجمے میں شاہ صاحب کے دو لفظوں کو بدلا ہے۔ وہ لفظ ہیں "بڑھ کر"۔ اہل زبان بلکہ کم پڑھے لکھے بھی جانتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ ابھی تک نہ تو متروک ہوئے ہیں اور نہ مشکل ہی ہیں۔ علامہ صاحب نے "بڑھ کر" کو "دوڑ کر" سے بدلا، تو معلوم ہوا کہ انہوں نے اس بات کو نہیں نباہا جس کا اعلان انہوں نے مقدمے میں کیا تھا۔ جب وہ اپنے متعین کردہ دائرہ کار سے باہر نکل ہی گئے تھے تو آیت کے اس حصے کا ترجمہ مرّوج زبان میں بھی کر سکتے تھے، اور کون کہہ سکتا ہے کہ اُنہوں نے کوئی کسر چھوڑی ہوگی۔ اندازہ ہے کہ انہوں نے پوری قوت لگا کر یہ ترجمہ کیا ہوگا، اور غالباً یہی اُن کی ترجمہ نگاری کی معراج ہے۔ شاید وہ اپنی اس کمزوری سے واقف بھی تھے، اس لیے کوئی نیا ترجمہ کرنے کے خلاف تھے۔ علمیت کا بھرم رکھنے اور مترجمین قرآن میں نام

شامل کرانے کے لیے شاہ صاحب کے ترجمے پر مشق ستم کرنے کا موقع مل گیا، اور پھر ایسے نام نہاد دانشور بھی مل گئے جو اس ترجمے کو اردو زبان کا سب سے اچھا ترجمہ کہہ گئے۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد ☆ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس حصہ آیت کا ترجمہ یوں املا کرایا؛

"بھلائیوں کی طرف سبقت چاہو"

نظر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ ہے صحیح معنوں میں اردو ترجمہ۔

آیت ۵۷ جناب علامہ کا ترجمہ اس طرح ہے،

"اے ایمان والو! مت بناؤ اُن لوگوں کو جو ٹھہراتے ہیں تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل، وہ لوگ جو کتاب دیئے گئے تم سے پہلے اور کافروں کو اپنا دوست"

اس آیت میں اللہ رب العزت نے کچھ لوگوں کا ذکر کر کے حکم دیا ہے کہ ان کو دوست نہ بناؤ۔ اب علامہ کے ترجمے میں "مت بناؤ" اور "دوست" الفاظ کو تلاش کیجئے۔ (قارئین کی سہولت کیلئے اُن کو خط کشیدہ کر دیا گیا ہے) اور دیکھئے اُن کے مابین کتنے الفاظ اور ہیں۔ کیا اتنے فصل کے بعد ہر شخص اُن کا مفہوم "مت بناؤ دوست" آسانی سے لے سکے گا۔ معلوم نہیں یہ کس زمانے کی اردو ہے۔ شاہ صاحب کے عہد میں بھی ایسی مثال ملنی مشکل ہے، خود شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا۔

"اے ایمان والو! رفیق نہ پکڑو ایسوں کو جو ٹھہراتے ہیں تمہارا دین ہنسی اور کھیل اور جو کتاب دیئے گئے تم سے پہلے اور جو کافر ہیں"

"رفیق نہ پکڑو" اب متروک ہے تو کیا اس کی جگہ "مت بناؤ دوست" یا "دوست نہ بناؤ" نہیں لایا جا سکتا تھا؟ اور اس کے ٹکڑے کر کے اُن کو اتنے فاصلے پر رکھنے کا جواز کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ عربی متن میں "لَا تَتَّخِذُوْا" پہلے اور "اَوْلِيَاءَ" بعد میں آیا ہے اور علامہ نے ہر عربی لفظ کا اُردو ترجمہ اس کے نیچے یا عربی کی ترتیب کے مطابق لکھنے کی کوشش کی ہے۔ تو اس موقع پر یہ پوچھنا بے محل نہ ہوگا کہ ایسے ترجمے کو لفظی ترجمہ کہا جائے یا بامحاورہ، اور کیا اس کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ کہنا درست ہے؟...... امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں کیا؛

"اے ایمان والو! جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا ہے، وہ جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور کافر، ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ"

آیت ۶۸ علامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے؛

"کہہ دے اے کتاب والو! تم کسی راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل کو اور جو تم پر اُترا تمہارے رب کی طرف سے"

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا؛

”تم فرماؤ اے کتابیو! تم کچھ بھی نہیں ہو جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل اور جو کچھ
تمہارے رب کے پاس سے اُترا“

”کتابیو“ اور ”تم کچھ بھی نہیں ہو“ کا جواب نہیں۔ یہ عین اردو کا روز مرہ ہے اور برجستہ ترجمہ بھی۔ اس خوبی کو ”فطری ترجمہ نگاری“ کا نام دیتا ہوں۔ اس کو کنزالایمان کی ۱۳ویں خوبی تصور فرمائیے۔

آیت ۷۵ علامہ محمود الحسن نے اس طرح ترجمہ فرمایا؛

”پھر دیکھ وہ کہاں اُلٹے جارہے ہیں“

اس ترجمے میں شاہ صاحب کے ترجمے پر ایک لفظ وہ (خط کشیدہ) اضافہ کیا گیا ہے اور ”اُلٹے“ میں واؤ زائد کم کیا گیا ہے، جواب متروک ہے۔ دوسری ترمیم تو متروک ہونے کے باعث اُن کے دائرۂ کار میں آتی ہے، لیکن لفظ ”وہ“ کا اضافہ بتارہا ہے کہ وہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے سے مطمئن نہیں تھے اور انہوں نے اپنے مقدمے میں شاہ صاحب کے ترجمے کی جو تعریف کی ہے، وہ محض دکھاوا ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے؛

”پھر دیکھو وہ کیسے اوندھے جاتے ہیں“

بالکل فطری اور روز مرہ کے مطابق ترجمہ ہے۔ اب فعل متعدی المتعدی کی بہاریں دیکھئے۔

آیت ۶۰ علامہ کا ترجمہ اس طرح ہے؛

”تو کہہ میں تم کو بتلاؤں ان میں سے کس کو بُری جزا ہے اللہ کے ہاں“

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے ترجمہ کیا تھا:

”تو کہہ میں تم کو بتاؤں ان میں کس کی بُری جزا ہے اللہ کے ہاں“

علامہ موصوف نے شاہ صاحب کے ترجمے میں صرف ایک لفظ بدلا ہے اور وہ تھا ”بتاؤں“ گویا لفظ ”بتاؤں“ متروک تھا اور ”بتلاؤں“ اہل زبان کا روز مرہ۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں کیا؛

”تم فرماؤ کیا میں بتادوں جو اللہ کے یہاں ہیں بدتر درجہ میں“

دونوں ترجموں کا فرق واضح ہے،

آیت ۶۷ علامہ کا ترجمہ ہے

”بے شک اللہ راستہ نہیں دکھلاتا قوم کفار کو“

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔ ”اللہ راہ نہیں دیتا منکر قوم کو“

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا؛ ”بے شک اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا“

آیت ۱۰۵ علامہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ ارقام فرمایا؛

”پھر وہ بتلادے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے“

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ کیا تھا؛ ''تم سب کو پھر وہ بتادے، جو کچھ تم کرتے تھے''

امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ لکھایا؛ ''پھر وہ تمہیں بتادے گا جو تم کرتے تھے''

اِن تین آیتوں کے ترجمے سے فقیر کے اِس خیال کو مزید تائید حاصل ہوتی ہے کہ علامہ محمود الحسن صاحب کو فعلِ متعدی المتعدی از حد مرغوب تھا اور اس کو وہ اِتنا پسند کرتے تھے کہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے کو بھی بدل دیتے تھے۔

اب تک کے موازنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تقریباً ہر آیت اور اُس کے ہر جز کے ترجمے میں امام احمد رضا نے ہر دو مترجمین سے کم الفاظ میں کام لیا، مطلب یہ ہوا کہ اختصار کنزالایمان کی چودھویں خوبی ہے۔

سورۂ الانعام

آیت ۶ علامہ محمود الحسن صاحب نے اس پوری آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے؛

''کیا دیکھتے نہیں کتنی ہلاک کردیں ہم نے اُن سے پہلے اُمتیں، جن کو جما دیا تھا ہم نے ملک میں اتنا کہ جتنا تم کو نہیں جمایا اور چھوڑ دیا ہم نے اُن پر آسمان کو لگاتار برستا ہوا اور بنادیں ہم نے نہریں بہتی ہوئی اُن کے نیچے۔ پھر ہلاک کیا ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں پر اور پیدا کیا ہم نے اُن کے بعد اور اُمتوں کو۔''

اسی آیت کا امام احمد رضا کا لکھا ہوا ترجمہ یہ ہے؛

''کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے اُن سے پہلے کتنی سنگتیں کھپادیں۔ اُنہیں ہم نے زمین میں وہ جماؤ دیا جو تم کو نہ دیا اور اُن پر موسلا دھار پانی بھیجا اور اُن کے نیچے نہریں بہائیں، تو اُنہیں ہم نے اُن کے گناہوں کے سبب ہلاک کیا اور اُن کے بعد اور سنگت اُٹھائی۔''

اب دونوں ترجموں کے ہر ہر فقرے اور ہر ہر جملے کا موازنہ کرکے دیکھئے۔

ترجمہ علامہ محمود الحسن صاحب	ترجمہ کنزالایمان
(الف) کیا دیکھتے نہیں کتنی ہلاک کردیں ہم نے ان سے پہلے اُمتیں۔	(الف) کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے اُن سے پہلے کتنی سنگتیں کھپادیں۔
(ب) جن کو جما دیا تھا ہم نے ملک میں اتنا کہ جتنا تم کو نہیں جمایا۔	(ب) اُنہیں ہم نے زمین میں وہ جماؤ دیا جو تم کو نہ دیا۔
(ج) اور چھوڑ دیا ہم نے اُن پر آسمان کو لگاتار برستا ہوا۔	(ج) اور اُن پر موسلا دھار پانی بھیجا۔
(د) اور بنادیں ہم نے نہریں بہتی ہوئی اُن کے نیچے۔	(د) اور اُن کے نیچے نہریں بہائیں۔
(ہ) پھر ہلاک کردیا ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں پر اور پیدا کیا ہم نے اُن کے بعد اور اُمتوں کو۔	(ہ) تو اُنہیں ہم نے اُن کے گناہوں کے سبب ہلاک کیا اور اُن کے بعد اور سنگت اُٹھائی۔

زبان کی معمولی فہم رکھنے والا بھی اس موازنے سے دونوں ترجموں کے فرق کو سمجھ سکتا ہے۔

آیت ۱۰ حضرت علامہ نے اس طرح ترجمہ فرمایا؛

"اور بلاشبہ ہنسی کرتے رہے ہیں رسولوں سے تجھ سے پہلے پھر گھیر لیا اُن سے ہنسی کرنے والوں کو اُس چیز نے کہ جس پر ہنسا کرتے تھے"

اس ترجمے پر کوئی تبصرہ کئے بغیر آیت کے اسی حصے کا امام احمد رضا کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

"اور ضرور اے محبوب! تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ٹھٹھا کیا گیا تو وہ جو اُن سے ہنستے تھے اُن کی ہنسی اُنہیں کو لے بیٹھی"

قارئین کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کون سا ترجمہ بہتر ہے اور کتنا بہتر ہے۔ بغیر کسی تبصرے کے دو آیتوں کے ترجمے اور ملاحظہ فرمایئے۔

آیت ۲۴ علامہ کا ترجمہ اس طرح ہے؛

"دیکھو تو کیسا جھوٹ بولے اپنے اوپر اور کھوئی گئیں اُن سے وہ باتیں جو بنایا کرتے تھے۔"

امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے؛

"دیکھو کیسا جھوٹ باندھا خود اپنے اوپر اور گم گئیں اُن سے جو باتیں بناتے تھے۔"

آیت ۳۷ جناب علامہ ترجمہ طراز ہیں؛

"اور کہتے ہیں کیوں نہیں اُتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے، کہہ دے کہ اللہ کو قدرت ہے اس بات پر کہ اُتارے نشانی، لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔"

اور امام احمد رضا نے یوں ترجمہ اِملا کر دیا؛

"اور بولے اُن پر کوئی نشانی کیوں نہ اتری اُن کے رب کی طرف سے تم فرما دو کہ اللہ قادر ہے کہ کوئی نشانی اُتارے؛ لیکن ان میں بہت نرے جاہل ہیں۔"

آیت ۵۶ علامہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ رقم فرمایا؛

"تو کہہ میں نہیں چلتا تمہاری خواہش پر۔ بیشک اب میں بہک جاؤں گا اور نہ رہوں گا ہدایت پانے والوں میں"

اس ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے کہلوایا کہ میں اب بہک جاؤں گا اور ہدایت یافتہ نہ رہوں گا یعنی گمراہ ہو جاؤں گا۔

ہر صاحب ایمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غلط بات کہنے کا حکم نہیں دیتا اور یہ بھی ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ ہمارے سرکار ﷺ ہمیشہ ہادی اور مہدی رہے۔ لہٰذا ترجمہ درست نہیں ہوا۔ اس ترجمے پر اس کے حاشیہ نگار علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب نے بھی خامہ فرسائی کی، لیکن اس نازک مسئلے کو نظر انداز کر گئے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا۔

''تم فرماؤ میں تمہاری خواہش پر نہیں چلتا۔ یوں ہو تو میں بہک جاؤں اور راہ پر نہ رہوں''

بیشک کفار کی خواہش یہی تھی کہ ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کے باپ دادا کے دین پر آجائیں۔ امام احمد رضا نے اس مقام کی نزاکت کو سمجھ کر عجلت میں بھی ایسا ترجمہ کیا جو حق ہی حق ہے۔

آیت ۵۷ علامہ نے اس طرح ترجمہ تحریر فرمایا؛

''میرے پاس نہیں جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو۔''

امام احمد رضا نے لکھایا؛

''میرے پاس نہیں جس کی تم جلدی مچا رہے ہو''

یہ ترجمہ اردو روز مرّہ کے زیادہ قریب ہے،

آیت ۶۶ علامہ صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے۔

''تو کہہ دے کہ میں نہیں تم پر داروغہ''

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ فرمایا؛

''تم فرماؤ میں تم پر کچھ کڑوڑا نہیں''

اس فقیر حقیر نے یہ دونوں ترجمے اس لیے نقل کیے ہیں کہ لفظ ''کڑوڑا'' کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کنز الایمان کے لسانی جائزے کے تحریری محرکات میں ایک اس لفظ کے بارے میں سنبھل میں ایک جماعت کا اٹھایا گیا طوفانِ بدتمیزی بھی ہے۔

اکتوبر ۱۹۹۹ء میں سنبھل سے ایک کتاب شائع ہوئی تھی، جس کا نام تھا ''فاضل بریلوی کا مشن اور اُن کا اصل دین قرآن وحدیث کی روشنی میں'' اس کتاب پر مصنف کی حیثیت سے ڈاکٹر محمد خالد قاسمی کا نام درج ہے۔ اس کتاب سے پہلے اُن کے نام سے ایک صفحہ بھی منظر عام پر نہیں آیا۔ اس لیے باخبر حلقوں میں یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جارہی ہے کہ یہ کتاب اُن کے کسی بھائی کا عطیہ ہے، جو اس طرح کی دل آزار کتابیں اپنے اور دوسروں کے نام سے چھپواتے رہتے ہیں۔ اس کتاب میں ساری باتیں وہی ہیں، جو اَب سے پہلے بار بار دوہرائی جاتی رہی ہیں، اور ایک غیر ذمّے دار قلمکار احسان الٰہی ظہیر کی زادہ فکر ہے۔ اِن باتوں کا بارہا جواب بھی دیا جاچکا ہے، اس لیے یہ کتاب قابل اعتنا نہیں تھی، لیکن مصنف نے اس میں ترجمہ کنز الایمان میں چار بار استعمال ہونے والے لفظ ''کڑوڑا'' پر بھی اعتراض کیا ہے، جو نئی بات ہے اور اس پر غور وفکر بلکہ بحث کی ضرورت ہے۔

لفظ ''کڑوڑا'' سے متعلق بحث کرنے سے پہلے یہ لکھ دینا بھی ضروری ہے کہ مصنف کے نام کے ساتھ لگے دم چھلّے سے دھوکہ نہ کھائیں۔ اگر چہ کتاب پر انہوں نے رعب ڈالنے کے لیے اپنے نام کے ساتھ ''ڈاکٹر'' اس طرح لکھا ہے جیسے ان کے پاس کسی یونیورسٹی کی ڈاکٹریٹ کی ڈگری ہو، لیکن ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ ایک دور افتادہ گاؤں میں دوا فروشی کرتے ہیں۔ البتہ اس دم چھلّے سے ان کی سوچ

کا پتہ چلتا ہے۔ فاضل دیوبند (قاسمی) ہوتے ہوئے انہوں نے اپنے نام کے ساتھ لفظ ''مولوی'' یا ''مولانا'' لکھنے کے بجائے ''ڈاکٹر'' لکھا (جب کہ ان کے پاس کسی یونیورسٹی کی ڈاکٹریٹ کی ڈگری نہیں ہے) اس سے پتہ چلتا ہے کہ بیچارے اپنی مولویت، ملائیت اور فضیلت سے شرمسار اور بے زار ہیں۔

پہلے تو صلوۃ وسلام کے خلاف جلسوں پر جلسے اور تقریروں پر تقریریں کرتے ہوئے بار بار یہ کہا گیا کہ لفظ کڑوڑا کسی ڈکشنری میں نہیں ہے۔ پھر کچھ دن بعد کہا گیا کہ صرف فرہنگ آصفیہ میں ملتا ہے (گویا فرہنگِ آصفیہ کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان بیچاروں کو لغات کے مدارج کا بھی علم نہیں ہے) پھر کتاب میں چار لغات (مہذب اللغات، فرہنگِ آصفیہ، قاعد اللغات اور فیروز اللغات) کے حوالے درج کر دیئے گئے۔ واضح ہو کہ ان میں فرہنگ آصفیہ کو چھوڑ کر باقی تین لغات محققین کے نزدیک استناد کے قابل نہیں ہیں۔ مصنف دو اور مستند اور معتبر ڈکشنریوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکے۔ اُن دونوں لغات کے اندراجات اس طرح ہیں:

جان ٹی پلیٹس کی ڈکشنری میں اس مفہوم کو ظاہر کرنے والا لفظ ''کروڑی'' درج ہے، معنی یہ دیئے ہیں:۔

a.m Tax gatherer, inspector, overseer (of a market & c.)[1]

ڈنکن فاربس کی ڈکشنری میں کڑوڑا ہی درج ہے۔ معنی یہ دیئے ہیں۔ a Taxgatherer c.s.[2]

گویا اس لفظ کا اندراج تین مستند اور تین غیر مستند ڈکشنریوں میں پایا جاتا ہے۔ اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ لفظ مجہول، غیر معروف اور غریب ہے۔ (مصنف کا اہم اعتراض یہی تھا) کیونکہ لغات میں انہیں الفاظ کا اندراج ہوتا ہے، جو بول چال اور تحریروں میں رائج ہوتے ہیں۔ بعد میں بہت سے الفاظ متروک بھی ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی ایک لفظ یہ بھی ہے جو امام احمد رضا کے عہد میں چلن میں تھا۔ اب ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ جب ''کڑوڑا'' متروک ہوگیا ہے تو اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ کیوں نہیں رکھ لیا جائے۔

جواباً عرض ہے کہ اوّل تو اس جگہ کے لیے کڑوڑا سے بہتر لفظ اردو زبان میں موجود نہیں ہے۔ دوئم کسی کی تحریر میں بھی بعد وفات تصرّف کرنا سخت ادبی جرم ہے۔ ایسا جرم تراجم قرآن کی تاریخ میں علامہ محمود الحسن صاحب سے ہی سرزد ہوا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تجدید کے نام پر شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ قرآن کی تخریب ہوگئی۔

مصنف نے لکھا ہے:

''وکیل کے معنی جس پر بھروسہ کیا جائے، عاجز انسان سب کچھ اس کے سپرد کر دے، وہ اسے مکمل کفایت بھی کرتا ہو۔''[3]

اس سے مصنف کا مقصد صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا زیر بحث چار آیات میں ''وکیل'' کا ترجمہ ''قابل بھروسہ'' کرتے ہیں اور ان چاروں آیات کا ترجمہ اس طرح ہو جاتا۔

(۱) تم فرماؤ کہ میں کچھ قابل بھروسہ نہیں (سورہ الانعام ۶۶) (۲) اور تم اُن کے بھروسے کے قابل نہیں (ایضاً ۱۰۷) (۳) اور میں کچھ قابل بھروسہ نہیں (سورہ یونس ۱۰۸) (۴) اور ہم نے تم کو بھروسے کے قابل بنا کر نہیں بھیجا (بنی اسرائیل ۵۴)

لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ اس کی توقع اپنے علاماؤں سے کیوں نہیں کی گئی۔ علامہ محمود الحسن صاحب نے ان چاروں آیات میں وکیل کا ترجمہ ایک جگہ مختار ایک جگہ ذمہ لینے والا اور دو جگہ داروغہ کیا ہے۔ فتح محمد جالندھری صاحب نے سورہ یونس کی آیت کے علاوہ باقی تین جگہ وکیل کا ترجمہ داروغہ کیا ہے۔ (سورہ یونس کی مذکورہ آیت میں وکیل کا ترجمہ وکیل ہی کیا ہے) علامہ تھانوی صاحب نے ایک جگہ تعینات، ایک جگہ مختار، ایک جگہ مسلّط اور ایک جگہ ذمّے دار کیا ہے۔ یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں کہ ان حضرات نے وکیل کا ترجمہ بھروسے کے قابل کیوں نہیں کیا؟ اور دوسرا یہ کہ وکیل کے معنی داروغہ، تعینات اور مسلّط کس لغت میں درج ہیں؟ جو اُن کے پیشواؤں نے ترجموں میں داخل کیے ہیں۔

شاید یہ کہا جائے کہ شاہ رفیع الدین دہلوی نے ان چار آیات میں وکیل کا ترجمہ داروغہ ہی کیا ہے، تو یہ اُس زمانے کی بات ہے جب داروغہ سے کسی کو سوئے ظن نہیں ہوتا تھا۔ اب (بلکہ علامہ کے عہد میں بھی) داروغہ سب انسپکٹر پولس کو کہا جاتا ہے اور اکثر لوگ اس کی طرف حسنِ ظن نہیں رکھتے، اس لیے اس زمانے میں لفظ داروغہ اپنی معنویت کھو چکا ہے۔

مذکورہ بالا چاروں مقامات پر "وکیل" سے مراد کیا ہے یہ بات بھی غور طلب ہے۔ ان چاروں ہی آیات میں اللہ رب العزّت نے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ تمہارا کام صرف تبلیغ کرنا ہے۔ ہدایت دینے کی ذمے داری تمہاری نہیں ہے (اگر یہ ذمہ داری بھی تمہاری ہوتی تو تم وکیل ہوتے)۔ قرآن کریم میں یہ بات واضح الفاظ میں بھی بیان ہوئی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (سورہ مائدہ آیت ۹۲)

جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے کھول کر (ترجمہ محمود الحسن صاحب)

مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ (سورہ مائدہ آیت ۹۹) رسول کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا (ترجمہ محمود الحسن صاحب)

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ (سورہ الانعام آیت ۴۸) اور ہم رسول نہیں بھیجتے مگر خوشی اور ڈر سنانے کو (ترجمہ علامہ محمود الحسن صاحب دیوبندی)

اور علامہ شبیر احمد عثمانی سورہ یونس کی آیت ۱۱۸ (جو زیر بحث چار آیتوں میں سے ایک ہے) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"اُن کا کام صرف آگاہ کر دینے اور راستہ بتلا دینے کا ہے اس پر چلنا، چلنے والے کے اختیار میں ہے۔"

ع　مدّعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

رہا ان چار آیتوں میں وکیل کا ترجمہ کرنا، تو وہ کسی طرح درست نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان آیات

میں لفظ ''وکیل'' فرمانے سے منشائے الٰہی پیغام پر عمل کرانے کے ذمے دار سے ہے۔ کسی حکم پر عمل کرالینا اس شخص کے دائرۂ اختیار میں نہیں آتا جس کو اردو میں وکیل کہتے ہیں۔ لہٰذا ان چاروں مقامات پر ''وکیل'' کا ترجمہ ''کڑوڑا'' ہی ہو سکتا ہے اس لیے کہ وہ بہت بڑا اور با اختیار افسر ہوتا ہے۔ فرہنگ آصفیہ میں ''کڑوڑا'' کے معنی اس طرح درج ہوئے ہیں۔

''وہ شخص جو عاملوں اور محصلوں پر خیانت کی نگرانی کے واسطے کوئی حاکم مقرر کرے، افسروں کا افسر، حاکموں کا حاکم۔ بڑا عہدہ دار جس کے ماتحت اور عہدے دار بھی ہوں'' [۵]

اب اگر کسی کو ان مقامات پر لفظ ''کڑوڑا'' پر اعتراض ہے تو وہ یہ بتائے کہ اردو میں اس کے علاوہ ایسا لفظ کون سا ہے جو یہاں منشائے الٰہی کا ترجمان ہو۔ کیا داروغہ، تعینات یا مسلط (اگر یہ کوئی عہدے دار ہیں) تو وہ کسی سے کسی قانون پر عمل کرا سکتے ہیں؟ اور اگر ایسا لفظ پیش نہیں کر سکتے تو اعتراض کرنے سے بھی باز رہنا چاہیے۔

اب اس لفظ کی لسانی بحث پر آیئے۔ ''کڑوڑا'' پہلے رائج تھا، اب متروک ہو گیا ہے، اس کو پھر رائج کرنا چاہیے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب نے نہ جانے کہاں سے اٹھا کر ایک لفظ ''کھکیو'' استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اگر چہ اس لفظ میں کوئی صوتی دلآویزی نہیں تھی مگر ایسا چلا کہ اچھے اچھے ادیبوں نے اپنا لیا۔ لفظ ''کڑوڑا'' چونکہ ایسا تھا کہ دو چار موقعوں پر ہی استعمال ہوتا تھا۔ اس لیے رواج سے دور چلا گیا۔

لفظوں کے ترک میں کبھی کبھی آمرانہ انداز سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ ایک لفظ ہے دِکھنا، بہ معنی دکھائی دینا (جیسے کیا تم کو دِکھتا نہیں ہے؟) فصحاء نے اس کو متروک قرار دیدیا۔ عربی، فارسی، سنسکرت اور انگریزی کے عالم اور اردو کے عظیم زباں داں پنڈت برج موہن دتاتریا کیفی اس لفظ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''جاننا چاہیے کہ دہلی کے فصحاء میں ''دِکھنا'' متروک اور غیر فصیح ہے۔ وہ اس کے بدلے ''دکھائی دینا'' لکھتے ہیں اگر چہ میں اس ترک کے خلاف ہوں، کیونکہ مجھے کوئی برہانِ ناطق نظر نہیں آتی کہ کیوں ایک چار ۴ حرف کا لفظ ترک کر کے اس کی جگہ نو ۹ حرف کا لفظ وجوباً استعمال کیا جائے۔ میرے یہاں یہ لفظ ایک جگہ آ گیا تھا، احباب نے ٹوکا۔ میں نے کہا آپ سے نکلے تو نکال دیجئے۔ اس میں وہ سب قاصر رہے۔ آخر وہ اسی طرح قائم رہا۔'' [۶]

''فاضلِ بریلوی کا مشن'' کے مصنف نے پہلے لفظ ''کڑوڑا'' کے بارے میں مہذب اللغات کا یہ اندراج نقل کیا۔

''صاحب ''فرہنگ اثر'' لکھتے ہیں۔ یہ عورتوں کی زبان ہے۔ اس شخص کو کہتے ہیں جو دوسروں پر رعب جمائے۔ [۷]

پھر ٹیپ کا بند یہ لکھا:

''مولوی احمد رضا خاں صاحب نے عورتوں کی زبان بول کر قرآن کے واضح اعلان کو چھپایا ہے ''(صفحہ ۱۲۹)

مصنف نے ''فرہنگ اثر'' کی عبارت مہذب اللغات سے نقل کی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اُن کی نظر سے نہیں گذری۔ اتفاق سے یہ فقیر کو بھی دستیاب نہ ہو سکی، جس سے یہ پتہ چلتا کہ اس اجمال کی تفصیل کیا ہے۔ یہاں عورتوں کی زبان سے مراد بیگماتی زبان بھی ہوسکتی ہے، جو شریف خاندانوں کی پردہ نشین خواتین بولتی ہیں اور جو بیرونی اور گنواری اثرات سے پاک اور خالص مانی جاتی ہے۔ لیکن سب سے اہم سوال یہ ہے کہ جب جان ٹی پلیٹس، ڈنکن فاربس اور مولوی سید احمد دہلوی جیسے مستند لغت نویسوں نے اس لفظ پر اس طرح کا کوئی تبصرہ نہیں کیا تو اکیلے 'فرہنگ اثر' کے مرتب کی رائے کیسے مانی جائے۔

رہا عورتوں کی زبان بول کر قرآن کے واضح اعلان کو چھپانے کا اعتراض تو اس بات کا ثبوت مصنف کے ذمے ہے کہ عورتوں کی زبان کے استعمال سے قرآن کا واضح اعلان غیر واضح ہو جاتا ہے۔ پہلے تو اس لفظ کو نسوانی زبان کا ثابت کریں پھر اس بات کی دلیل دیں کہ عورتوں کی زبان سے قرآن کا اعلان غیر واضح ہو جاتا ہے، تب اس کا تحقیقی جواب دیا جائے گا۔ پہلے سے ہی مغز زنی کرنے سے کچھ حاصل نہیں، اور اس کی دلیل مصنف کبھی نہیں دے سکیں گے۔ اعتراض کے لیے منھ کھول دینا بہت آسان ہے۔ اس وقت تو اس اعتراض کا یہی مطلب نکالا جاسکتا ہے کہ مسلمات و مؤمنات نہ تو قرآن کی تبلیغ کریں اور نہ قرآن کے مفاہیم پر باہم تبادلۂ خیال کریں۔ مسلم خواتین کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہوسکتی ہے۔ کیا قرآن صرف مردوں کے لیے ہی نازل ہوا تھا۔

لیکن اس موقع پر ایک الزامی جواب ضرور دینا چاہوں گا۔ قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ سورہ البقر کے ترجمے کا جائزہ لیتے وقت آیت ۱۹۱، ۲۰۹، اور ۲۱۷ کے تراجم میں ''بچلانا'' اور ''بچلنا'' لفظوں کے بارے میں فقیر نے عرض کیا تھا کہ قارئین کرام ان کو ذہن میں رکھیں۔ قرآن کریم کے ترجمے میں یہ الفاظ علامہ محمود الحسن صاحب نے تحریر فرمائے ہیں اور صاحب فرہنگ آصفیہ کے مطابق ''بچلنا'' ہندوؤں کا لفظ ہے۔

تو کیا علامہ محمود الحسن صاحب قرآن کے ترجمے میں ہندوؤں کی زبان استعمال کر کے توہین قرآن کے مرتکب نہیں ہوئے؟ مصنف کے جواب پر ہی اس فقیر کا جواب بھی مبنی ہوگا۔

اگر مصنف اس بحث کو آگے بڑھانے کے خواہشمند ہوں تو یہ بھی دیکھ لیں کہ اُن کے اکابر نے تو نسوانی الفاظ استعمال نہیں کیے ہیں، ایسا نہ ہو کہ بعد میں منھ کی کھانی پڑے۔

آیت ۱۹۱ علامہ محمود الحسن صاحب ترجمے میں رقم طراز ہیں:

''اور نہیں پہچانا انھوں نے اللہ کو پورا پہچاننا''

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''اور انہوں نے نہ جانچا اللہ کو پورا جانچنا''

حضرت علامہ صاحب نے ایک تو یہ کیا کہ فاعل (انہوں نے) کو مقدم سے مؤخر کیا تا کہ اُن کی اردو مزید ارگلابی اردو ہو جائے۔ پھر ''جانچا'' کو''پہچانا'' اور ''جانچنا'' کو ''پہچاننا'' سے بدل دیا جبکہ یہ دونوں لفظ نہ پہلے ہی متروک یا مشکل تھے اور نہ آج ہی ہیں۔ تو یا تو انہوں نے شاہ صاحب کے ترجمے کو غلط قرار دیا یا محض کاریگری اور قابلیت دکھانے کے لیے الفاظ کا ہیر پھیر کیا۔ تیسرا کارنامہ یہ انجام دیا کہ اردو کے تشکیلی دور کے اسلوب تحریر کو برقرار رکھا جیسے کہ یہ اسلوب اُن کے عہد میں بھی رائج اور پسندیدہ رہا ہو۔ انہیں اس انداز تحریر کے متروک ہونے کا بالکل احساس نہیں ہوا۔ اُن کی اسی اُلٹ پھیر نے شاید اُن کے ترجمے کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ بنا دیا۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح اِملا کرایا تھا:

''اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی''

دونوں ترجموں کو دیکھ کر قارئین کرام خود فیصلہ فرمالیں کہ ترجمہ نگاری کا حق کس نے ادا کیا ہے۔

آیت ۱۴۶؎ جناب علامہ نے اس آیت کے ایک حصّہ کا ترجمہ یوں ارقام فرمایا:

''اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ایک ناخن والا جانور اور گائے اور بکری میں سے حرام کی تھی اُن کی چربی جو لگی ہو پشت پر یا انتڑیوں پر، یا جو چربی کہ ملی ہو ہڈی کے ساتھ''

اس ترجمے میں بڑی خرابی یہ ہے کہ خط کشیدہ لفظ ''ایک'' بھرتی کا ہے، جس سے مطلب فاسد ہو رہا ہے۔ اس سے کوئی یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہود پر ناخن والا صرف ایک جانور ہی حرام کیا گیا تھا سب نہیں، لیکن یہ معلوم نہیں کہ کون سا؛ کتا، بلی، شیر، سیار، چیتا یا کوئی اور۔ اور اسی پر بس نہیں کوئی کم سمجھ اور کم علم بھولا بھالا قاری یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ صرف وہ جانور حرام ہوا تھا، جس کے ایک ناخن ہو، دو، تین، چار یا پانچ ناخن والے جانور حلال تھے۔ اس پر بھی کوئی اس کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ کہے تو اس کی عقل پر رویا ہی جا سکتا ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا:

''اور یہود پر ہم نے حرام کیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری کی چربی اُن پر حرام کی مگر جو اُن کی پیٹھ میں لگی ہو یا آنت یا ہڈی سے ملی ہو''

اس کو کہتے ہیں ترجمہ نگاری، کوئی بات بھی مبہم نہیں رہی۔

اب اس سورہ میں فعل متعدی المتعدی کے جلوے ملاحظہ فرمالیجیے۔

آیت ۱۵۹؎ علامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''اُن کا کام اللہ کے حوالے ہے، پھر وہی بتلائے گا اُن کو جو کچھ وہ کرتے تھے''

جب کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے فعل کی یہ صورت نہیں رکھی تھی۔ اُن کا ترجمہ یہ ہے:

"اُن کا کام حوالے اللہ کے۔ پھر وہی بتاوے گا اُن کو جیسا کچھ کرتے تھے"

علاوہ شوق تعدّی کی تکمیل کے "جیسا کچھ کرتے تھے" کو "جو کچھ وہ کرتے تھے" سے بھی بدل دیا گیا۔ اگر غور کیا جائے تو شاہ صاحب کا ترجمہ بہرحال علامہ صاحب کے ترجمے سے بہتر ہے۔

امام احمد رضا کا ترجمہ اس طرح ہے:

"اُن کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے، پھر وہ انہیں بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے"

آیت ۱۶۴ جناب علامہ نے اس طرح ترجمہ تحریر فرمایا ہے:

"پھر تمہارے رب کے پاس ہی تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ سو وہ جتلائے گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے"

جتلائے گا (خط کشیدہ) جناب علامہ کے شوقِ تعدّی کی تکمیل ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے ترجمے میں "جتادے گا" لکھا تھا علاوہ ازیں "تمہارے رب کے پاس ہی تم سب کو لوٹ کر جانا ہے" خلاف محاورہ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے، "تم تمہارے والد سے سلام کہہ دینا" یا "میں میرے بھائی کے ساتھ رہتا ہوں" اہل زبان اس موقع پر ضمیر "اپنے" استعمال کرتے ہیں۔ لیکن جناب علامہ ایسا کرتے تو اُن کا ترجمہ سارے ترجموں کا سرتاج کیوں کر ہوتا۔ واضح ہو کہ شاہ صاحب کے ترجمے میں یہ نقص نہیں ہے۔ اس کو جناب علامہ نے بہ کوشش پیدا کیا ہے۔ ہر چند کہ شاہ صاحب نے الفاظ "تمہارے" اور "تمہاری" استعمال کیے ہیں، لیکن سلیقے کے ساتھ۔ وہاں نقص پیدا نہیں ہوا۔ یہ انوکھا روز مرّہ جناب علامہ کا ہی ایجاد معلوم ہوتا ہے، جس کو اب غیر اردو داں کثرت سے استعمال کر رہے ہیں۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا۔

"پھر تمہیں اپنے رب کی طرف پھرنا ہے، وہ تمہیں بتا دے گا جس میں اختلاف کرتے تھے۔"

جاری ہے...... انشاء اللہ

حوالہ جات:

۱۔ "اردو کلاسیکی، ہندی اور انگریزی ڈکشنری" مؤلفہ جان ٹی پلیٹس، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۸۸۴ء

۲۔ A dictionary Hindustani & English by Duncan Forbes 1866

۳۔ "فاضل بریلوی کا مشن اور اُن کا اصلی دین قرآن و حدیث کی روشنی میں" مصنفہ ڈاکٹر محمد خالد قاسمی، ناشر قاسمی منزل، دیپا سرائے سنبھل ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۲۶

۴۔ قرآن مترجم ناشر شاہ فہد قرآن شیف پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ۔

۵۔ فرہنگ آصفیہ مؤلفہ خان صاحب مولوی سید احمد دہلوی جلد سوم ناشر ترقی اردو بورڈ نئی دلی ۱۹۷۴ء

۶۔ منشورات مصنفہ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، انجمن ترقی اردو (ہند) دلی ۱۹۶۸ء ص ۱۳۰۔۱۲۹

۷۔ "فاضل بریلوی کا مشن اور اُن کا اصلی دین قرآن و حدیث کی روشنی میں" صفحہ ۱۲۹

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ

اور دارالعلوم منظر اسلام

تحریر: مولانا محمد صدیق ہزاروی۔ پاکستان

برصغیر ہند و پاک پر انگریز کے غاصبانہ قبضہ اور تسلط کی وجہ سے علوم اسلامیہ کے مراکز اور علماء اسلام کو نہایت کٹھن حالات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ایک طرف ملت اسلامیہ کو علوم دینیہ سے بے بہرہ رکھنے کے لیے علمائے دین کو ان کا جائز مقام دینے کی بجائے انہیں ادنیٰ طبقات میں شمار کر کے مسلمان بچوں کو دینی مراکز سے دور کرنے کی کوشش کی گئی تو دوسری جانب سرکاری اسکولوں میں لارڈ میکالے کا نظام و نصابِ تعلیم نافذ کر کے امت مسلمہ کے جسم سے اسلامی روح کو نکالنے کی سازش کی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ مدارسِ دینیہ کے خلاف ایسا رویہ اختیار کیا گیا کہ ان مدارس کی بندش کا راستہ ہموار ہوگیا۔

ان حالات میں اہل درد زعمائے ملت نے برصغیر کے مسلمانوں کو گمراہی کے دلدل میں پھنسنے سے بچانے اور راہِ ہدایت پر گامزن رکھنے کے لیے مدارس کا قیام عمل میں لانے کا بیڑا اٹھایا۔

ان مدارس میں دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف نمایاں اور معروف ہیں۔ اوّل الذکر مدرسہ "اسلامی مدرسہ عربی" کے نام سے قائم کیا گیا جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہوا۔

اس دارالعلوم کے بانی ایک صوفی منش عالمِ اہل سنت حاجی سید عابد حسین رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے مخلص زعمائے ملت کے تعاون سے یہ مدرسہ قائم فرمایا۔ حاجی صاحب رحمہ اللہ نہایت خوش عقیدہ عالم تھے، اولیائے کرام سے گہری عقیدت کی بنیاد پر مزارات پر حاضری اور نذر و نیاز ان کا معمول تھا اور وہ ہر ہفتہ پابندی سے محفل میلاد منعقد کرتے تھے۔

لیکن اس کے بعد دیوبند کا مدرسہ ایسے لوگوں کے قبضہ میں چلا گیا جن کے نظریات و معتقدات حضرت حاجی عابد حسین مغفور و مرحوم کے نظریات بلکہ یوں کہیے کہ اہل سنت و جماعت کے نظریات سے متصادم تھے۔ اس سلسلے میں بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن ہم "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" کے مطابق دارالعلوم دیوبند کے استاذ تفسیر سید انظر شاہ کی شہادت ہدیہ قارئین کرنا چاہتے ہیں تاکہ اُسے مخالف کا قول قرار دے کر حقیقت کی بجائے تعصب پر محمول نہ کیا جائے۔

سید انظر شاہ لکھتے ہیں:

"الحاج صوفی روشن ضمیر مولانا عابد حسین رحمہ اللہ بلاشبہ دارالعلوم کے ابتدائی بانی ہیں لیکن

یہ حقیقت ہے کہ آفاقی اور عالمی درسگاہ کے تخیل سے مرحوم کا دل و دماغ قطعاً خالی تھا ایک عظیم درسگاہ جو آفاقی تصورات کی حامل ہو کلیۃً، حضرت مولانا قاسم صاحب (نانوتوی) کی مرہون منت ہے نیز ابتدائی آویزشیں جو حضرت مولانا قاسم صاحب اور حاجی عابد حسین مرحوم میں رہیں جن کی محتاط تعبیر شکر رنجی یا مشاجرات ہی ہو سکتی ہے میرے نزدیک اس کی واقعیت صرف اتنی نہیں کہ عمارت کے مختصر کرنے یا وسیع کرنے پر دونوں بزرگوں کا اختلاف تھا جیسا کہ میں اپنے بزرگوں سے برابر سنتا رہا مجھے عرض کرنے دیجئے کہ یہ آویزش خالص نظریاتی جنگ تھی۔ میں تفصیلات میں تو ہر گز نہیں جاؤں گا اس لیے کہ وہ ایک دلخراش تاریخ کا باب ہے لیکن اپنے علم و مطالعہ کی بنیاد پر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جو دیوبند حضرت حاجی عابد حسین المغفور کی زیر تربیت بن رہا تھا وہ یقیناً اس دیوبند سے مختلف ہوتا جس کا تعارف اور شہرت عالم اسلامی سے گزر کر اقصائے عالم میں پہنچ چکی ہے۔"

سید انظر شاہ مزید لکھتے ہیں:

"سمجھنے کے لیے اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ چھتہ کی مسجد جہاں سے دارالعلوم (دیوبند) کی ابتداء ہوئی ہے حضرت حاجی صاحب مرحوم کی نشست گاہ یہی مقدس عمارت ہے اس مسجد میں رمضان المبارک کے چاروں جمعوں میں اب تک میلاد حضرت حاجی صاحب کی یادگار میں جاری ہے۔
میں نے کیا لکھا بس اس اجمال میں نکتہ سنج اس ساری تفصیلات کو پڑھ لیں جسے میں نے کم از کم تاریخ نگاری کے تلخ فریضہ کے قطعاً خلاف سنانے سے پہلو بچالیا ہے۔"

(ماہنامہ البلاغ، کراچی ذوالحجہ ۱۳۸۸ھ)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی سید عابد حسین اور معروف مہتمم مولوی قاسم نانوتوی کے عقائد و نظریات میں تصادم ہے اس دارالعلوم کے بانی حضرت سید عابد حسین رحمہ اللہ کے اعتقادات وہی تھے جو اہل سنت و جماعت کے اعتقادات ہیں جب کہ بعد میں یہ دارالعلوم جن لوگوں کے قبضہ میں گیا ان لوگوں کے عقائد ان نظریات سے ٹکراتے تھے اور اگر یوں کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی آج کی اصطلاح میں بریلوی تھے اور حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ کے عقائد و نظریات اور بانی دارالعلوم دیوبند سید عابد حسین کے عقائد میں سرمو فرق نہ تھا۔

یہ تو عقیدت کی بات تھی آیئے...... دارالعلوم دیوبند پر قابضین کی انگریز دوستی بھی ملاحظہ کیجئے جس سے واضح ہو جائے گا کہ سید انظر شاہ نے دارالعلوم دیوبند کی جس آفاقیت کا ذکر کیا ہے اس سے مراد کیا ہے؟ ۲۳ر دسمبر ۱۹۱۲ء کو دہلی میں کسی نے وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ پر بم پھینکا اور وائسرائے زخمی ہو گیا تو دارالعلوم دیوبند میں تشویش اور پریشانی کی لہر دوڑ گئی۔ اس سلسلے میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ (یعنی دارالعلوم دیوبند) کے ترجمان "القاسم" محرم الحرام ۱۳۳۱ھ کی رپورٹ ملاحظہ ہو لکھا ہے:

"دارالعلوم کے اہل شوریٰ اساتذہ، موجودہ طلباء پرانے طلباء (جمعیۃ الانصار) اس صدمہ کا اثر محسوس کرتے ہیں مولانا محمد صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند نے دارالعلوم کے تمام دوستوں کی طرف

سے اظہار ہمدردی اور غصہ ونفرت کا تار دیا جس کا جواب نہایت شکریہ آمیز الفاظ میں آیا۔
الحمدللہ ! کہ ہز ایکسیلنسی وائسرائے کی جان پر گزند نہیں آیا اور لیڈی ہارڈنگ محفوظ رہیں اور بفضلہ تعالیٰ حضور وائسرائے کی صحت روز بروز کامیابی کے ساتھ رو بہ ترقی ہے۔"

(بحوالہ دعوت فکر ص: ۱۳۴، از علامہ محمد منشا تابش قصوری)

تحریک آزادیٔ ہند، تحریک خلافت، اور تحریک ترک موالات کے حوالے سے دار العلوم دیوبند نے کیا کردار ادا کیا تاریخ کا طالب علم اس سے بخوبی آگاہ ہے۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے نظریات کے فروغ اور مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کو ایندھن فراہم کرنے کے لیے مولوی قاسم نانوتوی اور دیگر علمائے دیوبند نے کیا کارنامہ انجام دیا، یہ سب باتیں اہل دانش کی نظر میں ہیں۔ ہم اس وقت اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتے صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان حالات میں جب حضرت حاجی سید عابد حسین کے مدرسہ کو اس رنگ میں بدل دیا گیا تو مسلمانانِ ہند کے لیے ایسے علمی دینی ادارے کی اشد ضرورت تھی جو برصغیر کے مسلمانوں کی صحیح دینی راہنمائی کا فریضہ انجام دے۔

چنانچہ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمہ اللہ کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خان رحمہ اللہ نے ۱۸۷۲ء میں بریلی شریف میں ایک عربی مدرسہ قائم کیا جو "مصباح العلوم" کے نام سے مشہور ہوا۔ پھر ۱۸۹۴ء میں انہوں نے اشاعت العلوم کے نام سے ایک اور دینی مدرسہ قائم کیا اور اس کے بعد ۱۹۰۴ء (۱۳۲۲ھ) میں حضرت امام احمد رضا بریلوی نے ایک ادارہ "دارالعلوم منظر اسلام" کے نام سے قائم کیا۔

اس دارالعلوم میں بنگال، بہار، پنجاب اور سرحد وغیرہ کے سینکڑوں طلباء تحصیلِ علم کیلئے آتے تھے اور یہ ادارہ علومِ اسلامیہ کا بہت بڑا مرکز قرار پایا۔

اس وقت (صفر المظفر ۱۴۲۲ھ) میں دارالعلوم منظر اسلام کا صد سالہ جشن منایا جارہا ہے جو یقیناً امت مسلمہ کو اس دارالعلوم کی ان خدمات سے آگاہی کا ایک اہم ذریعہ ہے جن خدمات کی بنیاد پر برصغیر میں انقلاب بپا ہوا اور تحریک آزادیٔ ہند کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔

حضرت امام احمد رضا بریلوی کی زندگی کا مطالعہ کرنے والے لوگ بخوبی جانتے ہیں اور اب تو مکمل تفصیل کھل کر سامنے آگئی ہے کہ آپ کی پوری زندگی اسلامی خدمات کے حوالے سے ایک بھرپور اور قابل صد افتخار زندگی تھی۔ اسلامی فقہ پر آپ کا عظیم علمی انسائیکلوپیڈیا "فتاویٰ رضویہ" کی صورت میں جامعیت، ژرف نگاہی، عصری تقاضوں سے مطابقت اور مختلف فنون پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے فتاویٰ کی دنیا میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ ترجمۂ قرآن کے حوالے سے آپ کا ترجمہ "کنزالایمان" ہر اعتبار سے تراجمِ قرآن کی دنیا میں ممتاز حیثیت کا مالک ہے، جس پر بے شمار اسکالرز کی تحریرات تقابلی مطالعہ کے بعد منظر عام پر آچکی ہیں۔ نعت گوئی میں آپ کو جو مقام حاصل تھا آپ کے مجموعۂ نعت

''حدائق بخشش'' کا بغور جائزہ لینے کے بعد ممتاز شعراء نے اس کی ادبی، فنی اور تمام متعلقہ خوبیوں بالخصوص حزم واحتیاط کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔
ڈاکٹر محمد اقبال نے آپ کے بارے میں فرمایا:

''مولانا (احمد رضا بریلوی) ایک دفعہ جورائے قائم کرلیتے تھے اس پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور وفکر کے بعد کرتے تھے۔

(حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی از: ڈاکٹر محمد مسعود احمد ص ۱۰۰)

جھوٹے صوفیوں کے خلاف حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ کا جہاد، سائنس، ریاضی اور دیگر علوم جدیدہ کے حوالے سے آپ کی خدمات اور بدعات ومنکرات کے خلاف آپ کا بھر پور حملہ اور سب سے بڑی بات یہ کہ انگریز کے خود کاشتہ پودے مرزا قادیانی کے خلاف سب سے پہلے آواز حق بلند کرنا اور انگریز کی اس سازش کا منہ توڑ جواب دینا جو عظمت وناموسِ رسالت کے خلاف تھی اور جس کا مقصد مسلمانوں کو اندر سے کھوکھلا کر کے محض نام کا مسلمان باقی رکھنا تھا تا کہ انگریز کیلئے اس قوم کا مقابلہ آسان ہو، یہ تمام کارہائے نمایاں انجام دینے کیلئے حضرت امام احمد رضا بریلوی ایک انجمن کی صورت میں میدان میں موجود تھے۔ اور الحمدللہ! محبت رسول ﷺ کی جو شمع آپ نے فروزاں کی تھی اس کی روشنی چار دانگ عالم میں ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے نغمۂ جانفزا کی صورت میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔

امام احمد رضا خان بریلوی کے مختلف میدانوں میں یہ کارنامے نہایت بسیط وطویل مقالہ کے متقاضی ہیں اس وقت یہ بات عرض کرنا مقصود ہے کہ دارالعلوم منظر اسلام قائم کرنے کے بعد آپ نے چند سال مصروف تدریس رہ کر فتوئی نویسی اور دیگر دینی، ملی مصروفیات کی وجہ سے تدریس سے کنارہ کشی کرلی، اور کلیتاً فتوئی نویسی اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہوگئے، اور دارالعلوم کا تمام نظام اپنے صاحبزادے حضرت مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کردیا۔ اور اس وقت مولانا حامد رضا خاں کے پوتے حضرت علامہ اختر رضا خاں (فاضل جامعہ ازہر) دارالعلوم منظر اسلام کے شیخ الجامعہ ہیں، اور ان کے بھائی مولانا محمد منان رضا خان نے بریلی شریف میں ادارہ اشاعتِ تصانیفِ رضا قائم کر رکھا ہے۔

کوئی بھی ادارہ چاہے وہ علوم قدیمہ کا ادارہ ہو یا اس کا تعلق علوم جدیدہ سے ہو۔ اپنے بانی اور سربراہ کی سوچ اور فکر کا آئینہ دار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف سے وابستہ علماء چاہے وہ اس دارالعلوم کے طلباء رہ چکے تھے یا اس کے بانی حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے، آپ کے تلامذہ تھے یا خلفاء۔ انہوں نے تحریک آزادئ ہند کی کامیابی کیلئے دن رات ایک کئے اور برصغیر کے کونے کونے پر اس کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔

اگر چہ پہلے کی طرح یہ حقیقت اپنی جگہ آج بھی قائم ہے کہ دارالعلوم منظر اسلام پروپیگنڈے کی

دنیا سے دور رہا اور آج بھی سوائے علماء کے اس دارالعلوم سے متعارف لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے لیکن اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ کو چوکھی لڑائی لڑنا پڑی۔ آپ نے ہندو کے مکر و فریب اور انگریز کی چالبازی دونوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور چونکہ پریس ان لوگوں کے پاس تھا اس لیے دارالعلوم منظر اسلام یا امام احمد رضا بریلوی کو منظر عام پر لانے کی بجائے ان کے خلاف پروپیگنڈے کی مہم چلائی گئی لیکن دنیا جانتی ہے کہ محدث اعظم علامہ محمد سردار احمد، غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی، مفتی اعظم سید ابوالبرکات، منظر اسلام مفتی محمد حسین نعیمی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر مشاہیر اسلام جنھوں نے ہندوستان میں علم کی شمع کو روشن کیا اور ملی سیاست کو صحیح رخ دیا اسی دارالعلوم اور اس کے بانی کے دامنِ محبت وارادت سے وابستہ اور خوشہ چین ہیں اور آج نہ صرف بھارت بلکہ پاکستان میں ان مدارس کا ایک جال بچھا ہوا ہے اور وہ علماء و مشائخ شمار سے باہر ہیں جن کے علم اور دینی خدمات کا منبع دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف ہے۔



شانِ تحقیق ادا کر گیا خامہ تیرا

از: مبلغ اسلام ترجمانِ مسلک اعلیٰحضرت مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی قادری رضوی مانچسٹر برطانیہ

اے رضا مرتبہ کتنا ہوا بالا تیرا　　ہند تو ہند عرب میں ہوا شہرہ تیرا
نام اعلیٰ ہے ترا حضرت اعلیٰ تیرا　　کام اولیٰ ہے تیرا اے شہہ والا تیرا
کار تجدید ادا کرتا تھا خامہ تیرا　　سر پہ باطل کے اُٹھا کرتا تھا تیغا تیرا
کتنا اونچا کیا اللہ نے رتبہ تیرا　　غوث اعظم کو کیا آقا و مولیٰ تیرا
تیرے اچھوں نے کیا ہے بڑا اچھا تیرا　　پھر بھلا کیا کوئی بد خواہ کرے گا تیرا
نسبت آلِ رسولی بھی عجب نسبت ہے　　غوث تک لے گیا تجھ کو یہ وسیلہ تیرا
دین حق کا تو مجدد ہے زمانے کا امام　　اہلِ حق چلتے ہیں جس پہ وہ ہے رستہ تیرا
تجھ پہ ہے اک تنِ بے سایہ کا ایسا سایہ　　پھیلتا جاتا ہے ہر سمت اُجالا تیرا
اس زمانے میں کوئی تجھ سا نہ دیکھا نہ سُنا　　غوث اعظم کی کرامت تھی سراپا تیرا
ہر جگہ منظر اسلام نظر آتا ہے　　تیرا گھر کوچہ و بازار محلہ تیرا
مسلکِ حق کی ضمانت ہے تیرا نام رضا　　شانِ تحقیق ادا کر گیا خامہ تیرا

مصطفےٰ کا ترے خادم ترے حامد کا غلام
خوشتر بندۂ دربار ہے تیرا تیرا

(بشکریہ: ماہنامہ اعلیٰحضرت کا صد سالہ منظر اسلام نمبر۔ مئی ۲۰۰۱ء)

فن مناظرہ میں ملک العلماء کا مقام

مولانا غلام جابر شمس مصباحی۔ مرکز الثقافۃ السنیہ کالیکٹ، کیرالا

ملک العلماء حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین رضوی علیہ الرحمہ ۱۳۱۲ھ میں بریلی شریف حاضر ہوئے ۱۳۲۵ھ تک امام احمد رضا سے اخذِ علم وفیض کرتے رہے، فارغ ہوتے ہی جامعہ منظر اسلام میں مدرس مقرر ہوئے جہاں آپ ۱۳۲۹ھ تک درس دیتے رہے۔ ۱۳۳۰ھ میں امام احمد رضا کے حکم سے جامع مسجد شملہ پھر "مدرسۂ حنفیہ" فیض الغرباء آرا اور پھر وہیں سے مدرسہ شمس الھدیٰ پٹنہ تشریف لے گئے۔ شوال یا ذیقعدہ یا ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ میں "خانقاہ کبیریہ" سہسرام بلائے گئے۔ ۱۳۳۸ھ کے آخر میں مدرسہ "شمس الھدیٰ" کے ارکان کے باصرار بلانے پر دوبارہ پٹنہ تشریف لائے۔ ۱۹۵۰ء شہر کٹیہار میں جامعہ "لطیفیہ بحر العلوم" کا افتتاح فرمایا جہاں آپ تقریباً ۱۹۶۰ء تک علم وفضل اور فکر وفن کا اجالا پھیلاتے رہے۔ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو امام احمد رضا کے وہ نور نظر "جان پدر بلکہ از جانِ بہتر" اللہ کو پیارے ہوئے۔ خدا جانے والے کو خوش رکھے۔ (آمین)

ملک العلماء نہایت باکمال مدرس، معتمد مفتی، بے مثال خطیب، بے جوڑ مصنف، علم ہیئت و توقیت اور علم الافلاک میں بے تاج بادشاہ، تفسیر و حدیث اور فقہ میں لاثانی، مفسر ومحدث وفقیہہ اور فاتح و غالب مناظر اسلام تھے۔ ملک العلماء جماعت رضائے مصطفےٰ، بریلی کے سرپرست اور شعبۂ مناظرہ کے صدر تھے۔ (تاریخ جماعت رضائے مصطفےٰ بحوالہ سہ ماہی افکار رضا ممبئی، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء) کمال تو یہ ہیکہ وہ ان تمام خوبیوں کے جامع تھے جو انفرادی طور پر دوسرے لوگوں کیلئے وجہ افتخار اور شانِ امتیاز بنی ہوئی ہیں۔ ذیل کی تحریر میں اختصار اًصرف مناظرانہ خوبیوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

بائیس سال کا مناظر اور بے مثال مناظرہ، چونکہ ملک العلماء ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۲۵ھ میں درسیات کی تکمیل فرمائی۔ ۱۳۲۶ھ میں امام احمد رضا نے مدنی جبہ اور خاص دعا دیکر انھیں مناظرۂ میوات کیلئے روانہ فرمایا۔ اس وقت آپ اپنی عمر کی بائیسویں بہار سے گذر رہے تھے۔ ملک العلماء تشریف لے گئے تو باطل کے پرستار چارزانو چت ہوگئے اور ملک العلماء فتح وظفر کی دھوم مچاتے بریلی واپس لوٹے۔ ذرا قدرے تفصیل خود ملک العلماء کی زبانی سنئے:

"۱۳۲۶ھ ملک میوات میں وہابیہ دیوبندیہ نے بہت اودھم مچار کھا تھا اور بیچارے سیدھے سادھے میواتیوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسانا چاہتے تھے کہ جناب مولانا صوفی رکن الدین صاحب

الوری نے مولانا مولوی احمد حسین خان صاحب رامپوری مقیم درگاہ معلی اجمیر شریف اندورن حجرہ نواب رامپور کو کسی عالم مناظر کو لینے کیلئے بریلی شریف بھیجا۔ مولوی صاحب موصوف بریلی حاضر ہوئے اور اعلیٰ حضرت سے وہاں کے حالات عرض کئے۔ اس وقت اعلیٰ حضرت نے مجھے یاد فرمایا اور حکم دیا کہ ملک میوات تحصیل نواح فیروز پور جھرکا میں وھابیوں سے مناظرہ کرنا ہے۔ آپ مولانا کے ساتھ تشریف لے جایئے اور وھابیہ کو شکست دیجئے۔ میں نے عرض کیا، تعمیل ارشاد کو حاضر ہوں حضور کی دعا کی ضرورت ہے۔ حضور کی دعا شاملِ حال رہی تو انشاء اللہ تعالیٰ وھابیہ کو ضرور شکست ہوگی۔ اس وقت اعلیٰ حضرت مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ایک ادنیٰ جبہ لاکر مجھے عنایت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لیکر سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا اور رکھ لیا۔ اعلیٰ حضرت کی دعا اور اس جبۂ مبارکہ کی یہ برکت ہوئی کہ وھابیہ کی طرف سے متعدد صاحبان مناظرہ کیلئے آئے تھے ان میں ایک صاحب ایسے بھی تھے جو بقول خود تین چار سال مکہ معظمہ میں قیام بھی کر چکے تھے اور اسی بناء پر بڑے زور سے دعویٰ کیا تھا کہ تقریریں سب عربی میں ہوں۔ ادھر سے کہا گیا کہ یہ مجلسِ مناظرہ ہے دونوں طرف کی عوام بکثرت شریکِ جلسہ ہوئے ہیں۔ عربی میں فریقین کی تقریر ہونے سے یہ کیا سمجھیں گے۔ لیکن وہ نہیں مانے اور اسی پر اصرار کیا۔ دو تین مرتبہ فریقین کی تقریریں ہوئی تھیں کہ مولوی صاحب موصوف تقریر کرتے کرتے بول اٹھے والناس فی مھنہ مولوی احمد حسین خان صاحب رامپوری نے فوراً ٹوکا مولانا یہ تو فصیح عربی نہیں ہوئی فصیح عربی والناس لی مجھنہ ہے۔ کیا ایسی ہی عربی مکہ معظمہ سے سیکھ کر آئے ہیں۔ اس پر زبردست قہقہہ پڑا اور مولوی صاحب کھسیانے سے ہوگئے۔ اس کے بعد بقیہ تقریر اردو میں کی۔ پھر فریقین کی تقریریں عربی کی جگہ اردو میں ہی ہونے لگیں جب ابتدائی مباحث طے ہوگئے اور علمی سوالات کی نوبت آئی تو پہلے ہی سوال کے جواب میں سبھوں نے ایسی خاموشی اختیار کی کہ ایک لفظ بھی نہ بول سکے، تقاضے پر تقاضے ہوئے۔ مگر ان کا سکوت نہ ٹوٹا۔ تین گھنٹے تک سب کے سب خاموشِ محض رہے آخر ثالث وحکم صاحب نے کہا، مولانا کچھ تو بولیے تاکہ ہم لوگوں کو کچھ کہنے کا موقع ملے۔ اس پر بھی وہ لوگ خاموش محض رہے آخر مجبوراً ان لوگوں نے بھی اعلان کیا صاحبو! آپ لوگوں کے سامنے سب ابتدائی باتیں طے ہوئیں جب علمی باتوں کی نوبت آئی مولانا ظفر الدین صاحب نے جو سوالات کئے ان کے جواب میں ان تمام علماء نے سکوتِ محض سے کام لیا اور بالکل خاموشی میں تین گھنٹہ وقت صرف کر دیا، اس سے معلوم ہوتا ہےکہ ان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے اور یہ لوگ جواب سے قاصر ہیں ورنہ کس دن کیلئے اٹھا رکھتے۔ ان لوگوں کا مذھب باطل اور مولوی شاہ امین الدین صاحب، مولوی شاہ ارشاد علی صاحب، مولانا مولوی ظفر الدین صاحب، مولوی احمد حسین خان صاحب وغیرہ علماء کا مذھب حق ہے۔ آپ لوگ آتے وقت دو دروازے الگ الگ داخل ہوئے تھے۔ اب سب لوگ متفق ہوکر اس دروازہ سے مولوی ظفر الدین صاحب کے ساتھ مناظرہ گاہ سے باہر تشریف لے جایئے۔ چنانچہ ان چند مولویوں کے علاوہ بقیہ سب لوگ علماء اہل سنت کے ساتھ ساتھ

آئے ۔ والحمدللہ علیٰ ذلک جب بخیر وخوبی کامیابی کے ساتھ ہم لوگ بریلی شریف واپس ہوئے اور اعلیٰ حضرت کو اس مناظرہ کی روداد سنائی اور ان لوگوں کی خواہش کا اظہار کیا کہ میوات والے چاہتے ہیں کہ مناظرہ کے پورے حالات کتابی شکل میں شائع کردئے جائیں وہ لوگ اس کی طباعت کے مصارف برداشت کرنے کو تیار ہیں ۔ اعلیٰحضرت نے بھی اسے پسند فرمایا اور اس رسالہ کا تاریخی نام ۔ '' پکے نجدیہ کا چپ مناظرہ ۱۳۲۶ھ '' رکھا اور جناب مولانا حسن رضا خان صاحب نے اس کا تاریخی نام '' شکست سفاہت '' ۱۳۲۶ھ رکھا چنانچہ یہ رسالہ اسی زمانے میں چھپ کر تمام ملک میں شائع کردیا گیا ۔
(حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد اوّل صفحہ ۵۴ تا ۵۶ مطبع رضویہ)

وہ دور مناظرانہ ہنگامہ آرائیوں کا آئینہ دار معلوم ہوتا ہے شاید اسی لیے جگہ جگہ اور بات بات پر مناظرہ ہوا کرتا تھا ۔ شرار بولہبی چراغ مصطفوی بجھانے کے درپے رہا ہوگا ۔ مگر وہ شمع کیا بجھتی بلکہ اس کی لو اور تیز ہوگئی ۔ دشمنِ دین کے سینکڑوں نہریں نکالے کے باوجود دینِ حنیف کا دریا روز افزوں موجزن ہی رہا ، امام احمد رضا کے ایک مکتوب گرامی کا یہ حصہ ملاحظہ کیجئے ، جس سے مناظرے کی ہماہمی 'ملک العلما کی مستعدی اور اس پر امام احمد رضا کا اظہار مسرت کا انداز ہوتا ہے :

'' وھابیہ خذلھم اللہ تعالیٰ نے تین جگہ شور مچا رکھا تھا بھاگلپور ، فیروز آباد ، راندیر ۔ بھاگلپور کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ آپ کو اس اشتہار اور مولانا مولوی نعیم الدین صاحب کے خط سے واضح ہوگا ۔ یہ خط اصل ہے بعد ملاحظہ واپس ہو ۔ فیروز آباد میں ایک صاحب مورچہ لیے ہوئے ہیں ۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ وہاں حاجت نہ ہوگی ۔ راندیر میں ابھی کوئی آدمی کام کا نہ گیا ۔ وہاں ضرورت پڑتی معلوم ہوتی ہے میں نے فاتحانِ بھاگلپور کو آج ہی لکھ دیا ہے کہ تیار رہیں مگر انہوں نے وہاں سے کلکتہ جانے کو لکھا تھا اور شاید ابھی انھیں اطراف میں ان کا قیام مناسب ہو ۔ لہذا آپ راندیر جانے کیلئے تیار رہیں ، میرے تار کا انتظار کریں ۔ ''
(مکتوب امام احمد رضا بنام ملک العلماء محررہ ۸ ، رجب المرجب ۱۳۲۶ھ (حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد اوّل مطبع مکتبہ رضویہ ۲۷۴)

'' آپ کی مستعدی پر بحمدہ تعالیٰ بہت جی خوش ہوا جزاکم خیراً وبارک فیکم وبکم ولکم وعلیکم ''
(مکتوب رضا بنام ملک العلماء محررہ ۲۲ ر رجب ۱۳۳۶ھ حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۷۹)

جریدہ '' دبدبۂ سکندری '' رامپور ، ۲۰ ر جون ۱۹۲۵ء کے حوالے سے مولانا محمد ادریس رضوی ، ایم اے لکھتے ہیں :-

'' موضع پٹنہ ضلع بوگرا میں مناظرہ کیلئے دونوں جانب سے خوب تشہیر کی گئی تھی ۔ سنیوں نے ملک العلماء کی آمد پر ان کا شاندار استقبال کیا ۔ غرض کہ مناظرہ شروع ہوگیا ۔ ابتداء چند تحریرات کی آمدورفت بزبانِ عربی ہوئی ۔ جس سے غیر مقلدین کا مقصود علمی موازنہ تھا ۔ مناظرہ کا وقت ایک بجے سے پانچ بجے تک کا تھا ۔ ملک العلماء اسٹیج پر رونق افروز تھے اور غیر مقلدین کو بھرے مجمع میں چیلنج پر چیلنج کررہے تھے ۔ مگر افسوس کہ وقتِ مقررہ پر میدان میں شیرِ اہلسنت کو دیکھ کر کوئی بھی نہ آیا ۔ حاضرین

سے تمام جلسہ گاہ بھری ہوئی تھی۔ ہر ایک گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھتا اور پھر رہ جاتا تھا۔ غیر مقلدین کے مناظرین نے سنی شیر کو بلا تو لیا مگر سامنے آنے کا یارا نہ تھا۔ غیر مقلدین مناظر جلسہ میں نہ آیا اور سب نے راہ فرار اختیار کی۔ ان کے نہ آنے پر عوام بہت متاثر ہوئے اور یہ سمجھ گئے کہ سنیوں کی بات بالکل حق ہے اور یہی صراط مستقیم پر قائم ہیں۔ فوراً دوسو آدمیوں نے وہابیت اور غیر مقلدیت سے توبہ کی اور اسلام میں داخل ہوگئے۔

(سہ ماہی "افکار رضا" ممبئی شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء صفحہ ۳۶)

رمضان ۱۳۳۴ھ میں ملک العلماء پٹنہ سے بریلی تشریف لائے اور حسب عادت امام احمد رضا کی تصانیف کی تبیض وترتیب میں لگ گئے۔ اس دوران کلکتہ سے ناصر ملت الحاج لعل محمد خاں علیہ الرحمہ کا اعلیٰ حضرت کے پاس خط آیا، ملک العلماء کو فوراً کلکتہ روانہ کیا جائے یہاں دیوبند کے تربیت یافتہ مولوی ولی اللہ مناظرے کا چیلنج دیتا پھرتا ہے۔ امام احمد رضا نے انھیں بیس روپئے دیکر کلکتہ روانہ فرمایا۔ کچھار رضا کے اس شیر کے پہونچتے ہی مولوی موصوف کا پتہ پانی اور اس کے حوالی موالی کے جذبات ہرن ہوگئے۔ اس کا بیان ملک العلماء کے قلم سے پڑھئے:-

"۱۳۳۴ھ میں جب میں مدرسہ "اسلامیہ شمس الھدیٰ" میں مدرس اوّل تھا۔ رمضان شریف کی تعطیل میں اعلیٰ حضرت کی قدمبوسی کیلئے حاضر ہوا۔ اس زمانہ میں اعلیٰ حضرت علم ہیئت میں ایک کتاب تصنیف فرمارہے تھے اور میں اسے صاف کررہا تھا۔ ارادہ تھا کہ ماہ رمضان المبارک تمام کرکے بعد شش عید کے جب مدرسہ کھلے گا پٹنہ واپس آؤں گا۔ لیکن اواخر رمضان شریف میں جناب حاجی لعل خان صاحب مرحوم کا خط پہونچا کہ یہاں ولی اللہ نامی ایک وھابی آیا ہے اور جگہ جگہ مناظرہ کا چیلنج دیتا ہے حضور والا مولانا ظفرالدین صاحب کو روانہ فرمادیں۔ اس وقت وہ کتاب قریب ختم کے تھی اعلیٰ حضرت نے دودن میں اس کو تمام کردیا۔ لیکن مجھے نقل کرنا اور صاف کرنا بہت باقی تھا اس پر حضرت نے فرمایا کہ اس کو اپنے ساتھ لیتے جایئے اور نقل کرنے کے بعد اصل اور نقل دونوں رجسٹری سے واپس کردیجئے گا۔ جب چلنے کا وقت ہوا اور اسٹیشن جانے کیلئے سواری آگئی۔ اعلیٰ حضرت باہر تشریف لائے اور دو نوٹ دس دس روپئے کے مجھے عنایت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ امسال آپ عید میں یہیں رہیں گے۔ بچوں کیلئے کپڑے بنواؤں گا تو آپ کیلئے بھی بنواؤں گا لیکن دینی ضرورت سے آپ کلکتہ جارہے ہیں اس لیے یہ روپئے آپ کی نظر ہیں۔ مجھے شرم آئی کہ طالب علمی کا زمانہ تو ضرورت کا زمانہ تھا۔ اب تو میں نوکر ہوں میں پیر کی خدمت کیا کرتا اور ان کی نذر کرتا کہ اُلٹے پیر ہی سے روپئے وصول کروں۔ میں نے کچھ تامل کیا اعلیٰ حضرت نے باصرار عنایت فرمایا میں نے قدمبوسی کرتے ہوئے وہ روپئے لے لیے اور کلکتہ روانہ ہوا۔ میرے پہونچنے کی خبر ملتے ہی سارا جوش ٹھنڈا ہوگیا اب کس میں مناظرہ کا دم ہے اعلیٰ حضرت کی دعا کا اثر ہے۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے　　　اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

اس کی مفصل کیفیت اس زمانہ میں حاجی عبدالرحمن مارواڑی کے نام سے رسالہ ''گنجینۂ مناظرہ'' ۱۳۳۴ھ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ کلکتہ کے قیام میں میں نے اس رسالہ مبارکہ کو جس کا نام ''تسہیل التعدیل'' صاف کر کے اصل ونقل دونوں بنام اعلیٰ حضرت بصیغۂ رجسٹری روانہ کر دیا۔

(حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۴۸ تا ۴۹)

جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے ہونہار مدرس مولانا ارشاد احمد مصباحی نے ملک العلماء کے قیام سہسرام پر ایک مفید معلوماتی مقالہ لکھا تھا جو ''ملک العلماء اور علمائے سہسرام'' کے عنوان سے ماہنامہ جہانِ رضا، لاہور شمارہ جون ۱۹۹۹ء میں چھپا محترم مقالہ نگار لکھتے ہیں۔

''واضح ہو کہ حضرت ملک العلماء کے سہسرام میں قیام کا زمانہ ۱۳۳۳ھ کے آخر سے لیکر ۱۳۳۸ھ تک ہے۔ ملک العلماء نے سہسرام کے قیام کے زمانے میں ایک مناظرہ کیا، جس کی روداد ''گنجینۂ مناظرہ'' کے نام سے ۱۳۳۴ھ میں چھپی تھی'' مصنف کا یہ لکھنا ملک العلماء کے بیان کی روشنی میں بے وزن ہو جاتا ہے یہ مناظرہ قیام پٹنہ کا ہے اور مزید وضاحتیں ''آئینہ مکتوب رضا'' میں دیکھئے،

''فتح مبارک ہو پہلے ہی معلوم تھا مگر ہمارے حاجی صاحب کا استعجاب جس کا حاصل یہ ہوا کہ آپ یہاں سے چلے گئے۔...... سنیوں کی عام حالت یہ ہو رہی ہے کہ جن کے پاس مال ہے انھیں دین کا کم خیال ہے اور جنھیں دین سے غرض ہے افلاس کا مرض ہے ورنہ کلکتہ میں حمایتِ دین کیلئے دو ہزار روپے ماہوار بھی کوئی چیز تھے ادھر یہ مدرسہ شمس الہدیٰ جسکی نسبت میں نے سنا کہ ۱۶ سولہ ہزار روپے کی سالانہ کی جائداد اس کیلئے وقف ہے اس کا بھی ہاتھ میں رکھنا ضروری ہے۔''

(مکتوب امام احمد رضا بنام ملک العلماء بزمانہ قیامِ کلکتہ محررہ ۲۶ رماہ مبارک ۱۳۳۷ھ)

مکتوب رضا کے اس حصے سے جہاں سنیوں کی غربت و بے حسی اور مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے وہیں ملک العلماء کی صلاحیت وسرگرمی کا پتہ بھی چلتا ہے اور یہ بھی کہ آپ پٹنہ سے کلکتہ تشریف لے گئے تھے۔ ناصر ملت الحاج محمد لعل محمد خان علیہ الرحمہ کے نام خط میں بھی یہ جملہ ملتا ہے ''مدرسہ شمس الہدیٰ کیلئے آدمی وہی تجویز کریں مجھے اطلاع دیں۔''

(مکتوب امام احمد رضا بنام حاجی لعل محمد خان محررہ دوم شوال المکرم ۱۳۳۴ھ حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۷۱)

خطوط کے ان دونوں ٹکڑوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کلکتہ ملک العلماء کے حد درجہ معتکف وگرویدہ تھے کہ اس زمانہ میں دو ہزار کی پیش کش کی تھی اور ملک العلماء جیسے عالم کا ملنا نہایت مشکل تھا اس کی نشاندھی مکتوب رضا کا یہ جملہ کرتا ہے ''افسوس کے ادھر نہ مدرس نہ واعظ نہ ہمت والے مالدار۔ ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں۔'' (حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۷۰) ملک العلماء کے بیان اور مکاتیب رضا کی ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ ملک العلماء، پٹنہ سے سہسرام شوال، ذیقعدہ، یا ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ میں تشریف لے گئے۔

حضرت ملک العلماء نہ صرف مسلم نما جو فروشوں کا بخیہ ادھیڑتے بلکہ اپنے علمی اور منطقی

استدلالات سے آریہ سماجیوں اور مسیحی مبلغین پر بھی چھا جاتے تھے، مشہور آفاق فاضل، محقق اور نقاد و فلکار پروفیسر علامہ مختار الدین احمد صاحب آرزو رقم طراز ہیں۔

"میرے بچپن میں وہ (ملک العلماء) آریہ سماجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرہ کیلئے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرہ کیلئے بھی وہ دور دراز علاقوں سے مدعو کئے جاتے تھے۔ ایک مناظرہ کیلئے وہ برما بھی تشریف لے گئے۔

(حیات ملک العلماء مشمولہ صحیح البہاری، صفحہ ۱۰ مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۹۲ء)

مولانا محمد ادریس رضوی ایم اے کے بقول:

"ملک العلماء نے آریاؤں، قادیانیوں، وہابیوں، دیوبندیوں اور دوسرے فرقہائے باطل کے اکڑفوؤں سے متعدد مناظرے کئے اور ہر جگہ سے کام یاب اور کامران لوٹ کر آئے، سنّیت کے شیر پر امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کو بھی ناز تھا۔" (سہ ماہی افکار رضا ممبئی شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء)

"تذکرہ علمائے اہلسنّت کے مؤلف مولانا محمود احمد قادری کی تحقیق کے مطابق ملک العلماء کی تعداد کتب ۱۶۰ ہے۔ جبکہ ملک العلماء کے نامور فرزند ڈاکٹر مختار الدین آرزو اپنے نیک نام والد ماجد کے رشحات قلم کی تعداد ۷۰ بتاتے ہیں لیکن یہ فہرست یقینی نہیں جیسا کہ ڈاکٹر موصوف نے لکھا ہے "درج ذیل کتابیں ملک العلماء کی فن مناظرہ میں ملتی ہیں جو صاحب سیرت کے علم مناظرہ میں عبور و کمال اور مہارت و بصیرت کی کھلی شہادتیں ہیں۔

(۱) ظفر الدین الجید ۱۳۲۳ھ (۲) الحسام المسلول علی منکر علم الرسول ۱۳۲۳ھ (۳) شکست سفاہت ۱۳۶۲ھ (۴) بجم الکلوہ علی الکلاب المطرہ ۱۳۲۸ھ (۵) المعراس لدفع کلام النحاس ۱۳۲۹ھ (۶) رفع الخلاف من بین الاحناف ۱۳۳۲ھ (۷) کشف المستور عن مناظرۂ رامپور ۱۳۳۴ھ (۸) گنجینۂ مناظرہ ۱۳۳۴ھ (۹) ظفر الدین الطیب

یوں تو ان کتابوں کے ناموں سے مفاہیم کچھ ظاہر ہیں مگر فی الوقت یہ تمام علمی شہ پارے چشمِ مطالعہ اور اس قلم کی گرفت سے باہر ہیں۔ اسباب مناظرہ، روداد مناظرہ اور احوال و وجوہ نہ جاننے کی بناء پر راقم اثم تعارف و تبصرے سے دست کش ہونے ہی میں عافیت سمجھتا ہے البتہ "ظفر الدین الجید" کے بارے میں حیات ملک العلماء کے مؤلفِ علام لکھتے ہیں:

"کذب باری سبحانہ وتعالیٰ، علمِ غیب اور دوسرے مسائل کے متعلق جن میں علمائے بریلی اور علمائے دیوبند میں اختلافات ہیں۔ بیس (۲۰) سوالات جسے مولانا ظفر الدین قادری نے مرتب کر کے مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں بریلی میں پیش کئے اس رسالے میں ان سے ملاقات کا حال اور دوسرے بعد کے کوائف بھی درج ہیں۔ یہ رسالہ انہوں نے ۱۴، جمادی الاخری ۱۳۲۳ھ کو اپنی طالب علمی کے زمانے میں مرتب کیا تھا۔"

(حیات ملک العلماء مشمولہ صحیح البہاری ص ۱۸ مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۹۲ء)

ملک العلماء کے پہلو دار، گوشہائے حیات کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ دین وسنیت کے دردمند اور خواجہ تاشانِ رضویت کے عظیم محسن ہیں علوم وفنون میں وہ امام احمد رضا کے مظہر اور فکر وقلم کے پرتو ہیں۔ خدمتِ اسلام اور افکارِ رضا کی تشکیل وترسیل اور نقابت وحفاظت میں جس جان سپاری سے انہوں نے جو گرانقدر کارنامہ انجام دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ملک العلماء کے احوالِ حیات اور علمی آثار میں سے کسی ایک پہلو پر پی، ایچ، ڈی کا مقالہ بآسانی تیار ہوسکتا ہے چہ جائیکہ وہ اس طرح بیسوں پہلوؤں کے جامع تھے۔ کاش! کوئی مخلص فاضل اُٹھے اور تحقیقی نظر سے ان کی حیات وخدمات کا جائزہ لے۔ ☆☆☆

اخبارِ رضا

☆ رضا اکیڈمی مالیگاؤں نے ۲۴، صفر المظفر ۱۴۲۲ھ کو امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان'' نیا تصحیح شدہ جملہ اغلاط سے پاک نسخہ کا اجراء بریلی شریف میں حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری صاحب قبلہ کے ہاتھوں سے انٹرنیشنل امام احمد رضا کانفرنس میں کیا۔ ☆ رضا اکیڈمی نے اِمسال ۲۵ر صفر المظفر ۱۴۲۲ھ کو عرسِ رضوی کے موقع پر مندرجہ ذیل رسائلِ اعلیٰحضرت امام اہلسنّت شاہ امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شائع کر کے عام کیے۔ (۱) زکوٰۃ وصدقہ کی جداگانہ حیثیت (۲) ہندوستان میں زراعت کے احکام (۳) سکونت حرمین (۴) نماز اور روزے کا فدیہ (۵) منبر پر مدح سلطان (۶) صبح صادق کا صحیح وقت (۷) بدمذہب سے نکاح (۸) صحن مسجد کا حکم (۹) اقرار نکاح (۱۰) رؤیت ہلال کے مسائل (۱۱) ثبوت ہلال کے طریقے (۱۲) شادی کی غلط رسمیں (۱۳) مہر معجّل (۱۴) احکام رمضان (۱۵) مسائل حج وزیارت (۱۶) معانقۂ عید (۱۷) بیوہ کا نکاحِ ثانی (۱۸) ثبوتِ ہلال کی غلطیاں (۱۹) زکوٰۃ اور بنی ہاشم (۲۰) حیلۂ زکوٰۃ (۲۱) حرمت مصاہرت (۲۲) رضاعی بھائی (۲۳) مسائل زکوٰۃ (۲۴) افطار کا وقت اور اس کی دعائیں (۲۵) دعاء نماز عید (۲۶) اذان خطبہ (۲۷) دعاء خطبہ (۲۸) ولایت نکاح (۲۹) الفاظ طلاق (۳۰) روزہ دار کے حلق میں ڈھول جانے کا حکم ☆ ''تضمین بر سلامِ رضا'' از: محمد عثمان اوج اعظمی زیر اہتمام: المجمع السلامی مبارکپور رضا اکیڈمی ممبئی۔۳ نے شائع کی ہے۔ ☆ امام احمد رضا اسلامک مشن، بھیونڈی، مہاراشٹر نے ۱۰ر جون ۲۰۰۱ء کو مینا تائی ہال، بھیونڈی میں دوسرا سالانہ جشن یوم رضا منعقد کیا۔ یہ ادارہ بھیونڈی کے ڈاکٹر اور انجینئر حضرات پر مشتمل ہے اور گزشتہ دو سال سے امام احمد رضا کے سائنسی علوم کو مشتہر کر رہا ہے۔ اس سال پہلی مرتبہ ایک مجلّہ ''اسلام اور سائنس'' فکر رضا کے حوالے سے ترتیب دیکر شائع کیا اور پڑھے لکھے لوگوں میں تقسیم کیا۔ ☆ ''مفتی اعظم۔ مدیٔ اعظم'' مؤلفہ مفتی سلطان رضا نوری مہتمم دارالعلوم مفتی اعظم ہند، بہرائچ شریف، رضا اکیڈمی ممبئی نے شائع کر دی ہے۔ ☆ انجمن فیضانِ رضا، دارالعلوم محبوب سبحانی، کرلا۔ ممبئی نے عرسِ رضا کے موقع پر ''رضا کوئز بک'' شائع کی، قیمت: پچاس روپے۔ ☆ انڈین اسلامک مشن ۲۶، کامیکر اسٹریٹ، ممبئی۔۳ نے مولانا عبدالہادی قادری رضوی صاحب کی مرتبہ انگریزی کتاب "The life and work of the muslim revivalist" قیمت ۳۰ (تیس) روپے۔

خاندانِ برکات کا اجمالی تعارف

از:۔ محمد ارشاد احمد رضوی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

علی گڑھ سے متصل یوپی کا ایک مشہور ضلع ہے ایٹہ (ETAH) جس کے مضافات میں ایک تاریخی بستی ہے مارہرہ مطہرہ جہاں زیدی سادات کا ایک خاندان ۱۰۱۷ھ میں بلگرام کی تاریخی سرزمین سے تشریف لایا۔ اس خاندانِ کریم کے سب سے پہلے بزرگ جو واسط عراق سے ہندوستان تشریف لائے وہ سید محمد صغریٰ تھے۔ آپ نے سلطان شمس الدین التمش کی ایما پر بلگرام کے سرکش ہندو راجا "سری" سے جہاد فرمایا اور ۶۱۴ھ میں اسے قتل کر کے فاتحانہ شان سے بلگرام پہ قابض ہوئے۔ سلطان نے بلگرام اور اس کے ملحقات آپ کی جاگیر میں دیدیئے۔ آپ نے اس کا نام "سری نگر" سے بدل کر بلگرام تجویز فرمایا۔ اسی بلگرام کے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

عبد واحد کے سبب جنت ہے نام بلگرام = اللہ اللہ عز و شان و احترام بلگرام

حضرت سید محمد دعوۃ الصغریٰ قدس سرہٗ نے وہیں مستقل سکونت اختیار فرمائی اور اسلام کی عظیم الشان گرانمایہ خدمات انجام دیں۔ آپ کے دستِ حق پرست پر بے شمار مخلوقِ خدا دولتِ ایمان سے سرفراز ہوئی۔ آپ کا خاندان سید میر عبدالواحد بلگرامی مصنف "سبع سنابل شریف" تک بلگرام ہی میں رہا اور بڑے نامی گرامی افراد ان میں پیدا ہوئے۔ میر صاحب کے بڑے صاحبزادے سید الجلیل چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۰۱۷ھ میں مارہرہ شریف تشریف لائے اور ہر سمت نور ایمان کا اجالا کر ڈالا۔ آپ کے فرزند سید محمد اویس بلگرامی قدس سرہٗ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ حضور صاحب البرکات سلطان العاشقین سید شاہ برکت اللہ قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاجدارِ سلسلۂ برکاتیہ وجدِ اعلیٰ خاندانِ برکات، جن کی شان رفیع میں امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ عرض کرتے ہیں:

شاہ برکات و برکات پیشینیاں = نو بہار طریقت پہ لاکھوں سلام

حضرت صاحب البرکات قدس سرہٗ غوثیت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے، راہِ سلوک میں بہت عظیم مجاہدے فرمائے۔ ۲۶ سال صائمانہ گذرے، صرف ایک کھجور سے افطار فرماتے، اکثر و بیشتر استغراق اور محویت کی کیفیت طاری رہتی۔ آپ کے کمالات باطنی و ظاہری کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل گیا تھا۔ سلاطینِ دہلی نیاز مندانہ دعاؤں کے طلبگار رہتے۔ روحانی بلندیوں کے ساتھ ساتھ فکر و قلم کی عظیم نعمتیں بھی ملی تھیں۔ آپ بیک وقت صوفی، ادیب، مصنف، محقق، شاعر سبھی کچھ تھے۔ تصوف و اعمال، تفسیر و عقائد اور فقہ و ادب میں آپ کی سترہ سے زائد تصانیف ہیں۔ عربی، فارسی، شاعری میں عشقی اور ہندی شاعری میں پیمی تخلص فرماتے۔

آپ کے صاحبزادے سید آلِ محمد اور سید نجات اللہ قدس سرہما اپنے وقت کے نامور مرشد کامل تھے جن کے باطنی فیضان کا غلغلہ پورے ہندوستان میں گونج رہا تھا۔ سید شاہ آلِ محمد قدس سرہٗ سرکار کلاں سے معروف ہیں اور سید شاہ نجات اللہ قدس سرہٗ سرکار خورد سے۔ سرکار کلاں کے دو صاحبزادے تھے سید حمزہ برکاتی اور سید محمد حقانی قدس سرہما۔ بڑے شاہزادے سید حمزہ اسد العارفین کے لقب سے ممتاز تھے، آپ کی درجنوں قیمتی تصانیف میں ''کاشف الاستار شریف'' اور ''فص الکلمات'' کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اپنی تصنیفاتِ مبارکہ میں جابجا ان سے استفادفرمایا ہے۔ ذوقِ علم بہت بلند تھا۔ آپ کے کتب خانہ میں سولہ ہزار سے زائد کتابیں تھیں جو آپ کے مطالعہ سے گذر چکی تھیں، بہترین شاعر تھے۔ غوثِ اعظم بمن بے سروساماں مددے، آپ ہی کا مشہور قصیدہ ہے۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ سید آلِ احمد اچھے میاں، سید آلِ برکات ستھرے میاں اور سید آلِ حسین سچے میاں قدست اسرارہم۔ سرکار کلاں کے چھوٹے صاحبزادے سید محمد حقانی قدس سرہٗ کی دو گرامی تصنیف ''عنایت رسول کی'' (تفسیر) اور ''نعت رسول کی'' (ترجمہ لباب الاخبار) کو کافی شہرت حاصل ہوئی۔

اسد العارفین سید حمزہ قدس سرہٗ کے تینوں صاحبزادے اعلیٰ عرفانی منازل پر فائز تھے لیکن ابوالفضل سید شاہ آلِ احمد اچھے میاں قدس سرہٗ بہت ممتاز تھے۔ آپ کو غوثیت کی اعلیٰ منزل نصیب تھی۔ آپ سے خوارقِ عادات اور کرامات اس قدر صادر ہوئیں کہ آپ کو مظہرِ غوث اعظم رضی اللہ عنہ کہا جاتا ہے۔ شہنشاہِ بغداد کا عشق آپ کی شریانوں میں لہو بن کر دوڑ رہا تھا۔ جیلانی نسبت رکھنے والی ہر چیز سے والہانہ عقیدت تھی۔ علمی پایہ اتنا بلند تھا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جیسا عبقری آپ کے فضل و کمال کا معترف تھا۔ عراق سے ایک صاحب وحدۃ الوجود جیسے دقیق مسئلہ کی تفہیم کی خاطر ہندوستان حاضر ہوئے۔ علما و مشائخ سے ملتے ہوئے محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض مدعا کیا لیکن تشفی نہ ہوئی، حضرت محدث دہلوی نے فرمایا:۔ ''آپ مارہرہ میں حضرت اچھے میاں کی خدمت میں جایئے وہ آپ کی تسکین خاطر فرمادیں گے۔'' تصنیف وتالیف سے شغف نہ ہونے کے باوجود چھ سات کتابیں آپ سے یادگار ہیں جن میں ''آئینِ احمدی'' ۳۴ جلد اور ایک روایت کے مطابق ساٹھ جلد پر مشتمل تھی ...... ستھرے میاں صاحب کے پہلی حرم سے ایک صاحبزادے سید آلِ امام جمّا میاں اور دوسری حرم مبارک سے تین صاحبزادے سید آلِ رسول احمدی، سید اولادِ رسول، سید غلام محی الدین امیر عالم اور پانچ صاحبزادیاں تھیں...... سچے میاں صاحب کو اتھ آرہ بہار منتقل ہوگئے۔

جمّا میاں کے عالمِ شباب میں انتقال کے بعد ستھرے میاں صاحب نے تینوں صاحبزادوں کو مساوی طور سے سجادگی عطا کی۔ اسی وقت تین سجادگیاں ایک ساتھ چلیں ورنہ پہلے صرف ایک سجادہ نشین ہوا کرتا تھا۔ ان تینوں حضرات میں حضرت خاتم الاکابر سید آلِ رسول احمدی قدس سرہٗ افقِ روحانیت پہ آفتاب عالم تاب کی مانند روشن اور درخشاں تھے۔ اپنے والد ماجد حضرت ستھرے میاں کے خاص فیض یافتہ اور اپنے بڑے ابا، حضور اچھے میاں کے بہت چہیتے خلیفہ اکرم اور سجادہ نشین تھے۔ تواضع اور حلم

میں ایک خاص شان رکھتے تھے۔ امامت سے احتراز فرماتے، دوسروں کی اقتدا زیادہ محبوب تھی۔ آپ کے خلفا مشاہیر عصر تھے ان میں سب سے چہیتے خلیفہ مجدد اعظم امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ تھے جنہیں نسبتِ اتصال و بیعت کے وقت ہی فوراً خلافت و نیابتِ مطلقہ اور جملہ سلاسل قدیمہ وجدیدہ کی گراں بہا دولتیں عطا فرمادیں اور توجہ شیخی کے ساتھ ساتھ سرنامۂ افتخار بھی ہوا:

"مجھے اس بات کی بہت بڑی فکر رہتی تھی کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالےٰ فرمائے گا اے آلِ رسول !تو میرے لئے دنیا سے کیا لایا ہے تو میں بارگاہِ الٰہی میں کون سی چیز پیش کروں گا ؟۔ لیکن آج وہ فکر دور ہوگئی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ آلِ رسول ! تو میرے لئے کیا لایا ہے تو میں عرض کروں گا: الٰہی تیرے لئے احمد رضا لایا ہوں۔"

یہی سرمایۂ افتخار مسترشد بارگاہ مرشد میں عرض کرتا ہے:۔

نورِ جاں، عطر مجموعہ آلِ رسول = میرے آقائے نعمت پہ لاکھوں سلام

حضرت خاتم الاکابر قدس سرہٗ کے دو صاحبزادے سید ظہور حسن، سید ظہور حسین اور تین صاحب زادیاں تھیں۔ حضرت سید ظہور حسن قدس سرہٗ کے اکلوتے صاحبزادے تھے سراج العارفین سیدنا سید ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ جن کی شانِ رفیع میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا:

برتر قیاس سے ہے مقامِ ابوالحسین ☆ سدرہ سے پوچھو رفعتِ بامِ ابوالحسین

سرکار نوری میاں قدس سرہٗ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے مرشد تربیت اور حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے مرشد بیعت ہیں۔ آپ ہی نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو "چشم و چراغ خاندانِ برکات" کے ممتاز اعزاز سے سرفراز فرمایا۔

حضرت خاتم الاکابر کے چھوٹے صاحبزادے سید ظہور حسین علیہ الرحمہ کے اکلوتے صاحبزادے تھے۔ سید مہدی حسن میاں علیہ الرحمہ جو اپنے والد ماجد کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو بدایونی مخمصے سے نجات دلانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ حضرت خاتم الاکابر کے منجھلے بھائی سید العابدین حضرت سید شاہ اولادِ رسول قدس سرہٗ کے چار صاحبزادے تھے۔ سید محمد صادق، سید محمد جعفر سید محمد باقر اور سید محمد عسکری۔ ان حضرات میں خاتم الاسلاف سید محمد صادق قدس سرہٗ ایک انفرادی شان رکھتے تھے۔ دین کی خدمت کا جذبہ کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا تھا۔ اصلاح رسوم، تبلیغ علوم اور تعمیراتی امور میں بہت ستھرا ذوق رکھتے تھے۔ آپ کے دو صاحبزادے سید ابوالقاسم محمد اسمٰعیل حسن، سید ابوالکاظم محمد ادریس حسن ستھرے میاں اور پانچ صاحبزادیاں تھیں۔

بڑے صاحبزادے حضرت علامہ سید ابوالقاسم محمد اسمٰعیل حسن شاہ جی میاں قدس سرہٗ سلف کی سچی یادگار اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے مکمل معاصر اور محب مخلص تھے۔ مارہرہ مطہرہ کا عالمی عرس، عرس قاسمی آپ ہی سے منسوب ہے۔ اذانِ ثانی کے قضیہ میں بدایونی یورش کے موقع پر آپ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی مکمل پشت پناہی فرمائی اور حق کا بھرپور ساتھ دیا۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے، سید غلام

محی الدین فقیر عالم اور تاج العلما سید اولادِ رسول محمد میاں قادری قدس سرہما۔ دونوں صاحبزادے علم وعمل کے آفتاب و ماہتاب تھے لیکن تاج العلما کو منعم حقیقی نے عجب امتیازی اوصاف سے نوازا تھا۔ تدریس، تنظیم، تصنیف، شعر وسخن، خطابت، بیعت و ارشاد اور سیاسی بصیرت میں اپنی نظیر آپ تھے۔ چالیس سے زائد تصانیف آپ سے یادگار ہیں۔ شعر وسخن کی ایسی برجستگی پائی تھی کہ چلتے پھرتے شعر کہا کرتے۔ آپ کے مجموعۂ کلام میں ہزاروں اشعار موجود ہیں خصوصاً ''مسدس شوکت اسلام'' تو آپ کی برجستگی اور فکری موزونیت کا شاہکار ہے۔ آپ ہی کے بھانجے ہیں سید العلما اور احسن العلما قدس سرہما۔

حضرت ستھرے میاں کے تیسرے صاحبزادے اور خاتم الاکابر کے چھوٹے بھائی شمس العرفا سید غلام محی الدین امیر عالم قدس سرہٗ کے تین صاحبزادے تھے۔ سید نور الحسین، سید نور الحسن، سید نور المصطفیٰ اور ایک صاحبزادی سکینہ فاطمہ تھیں۔

حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ کی چھوٹی صاحبزادی سیدہ رحمت فاطمہ کا عقد سید محمد حیدر ابن سید دلدار حیدر بن سید منتخب بلگرامی سے ہوا۔ ان سے دو صاحبزادے سید حسین حیدر، سید ظہور حیدر اور صاحبزادیاں فضل فاطمہ اور الطاف فاطمہ ہوئیں۔ سید حسین حیدر کے اکلوتے صاحبزادے تھے سید حیات النبی آلِ عبا بشیر حیدر، جو تنقید و ادب میں بڑے نامور گذرے ہیں۔ قلمی نام ''آوارہ'' جسے آپ کے ادبی دوست رشید احمد صدیقی علی گڑھ نے دیا تھا۔ سید آلِ عبا کے تین صاحبزادے تھے۔ (۱) سید آلِ مصطفیٰ اولادِ حیدر (سید العلما) (۲) سید مصطفیٰ حیدر حسن (احسن العلما) (۳) سید حسین حیدر اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ ۱۔ سیدہ عائشہ خاتون ۲۔ سیدہ زاہدہ خاتون

سید العلما علامہ حکیم مفتی سید آلِ مصطفیٰ برکاتی قدس سرہٗ کے اکلوتے صاحبزادے ہیں سید ملت علامہ سید آلِ رسول حسنین میاں نظمی مارہروی (C.W.S) سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ اور پانچ صاحب زادیاں ہیں۔ حضرت نظمی جدید وقدیم علم وادب کے محقق اور نعتیہ شاعری کی پہچان ہیں۔ اب تک آپ کے چار نعتیہ دیوان اور درجنوں کتابیں انگریزی اور اردو زبان میں منظر عام پر آچکی ہیں...... احسن العلما علامہ مفتی سید محمد مصطفیٰ حیدر حسن قدس سرہٗ کے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں (۱) امینِ ملت حضرت علامہ ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری سجادہ نشین و پروفیسر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (۲) سید محمد اشرف برکاتی (I.R.S) ڈپٹی کمشنر انکم ٹیکس ممبئی (۳) سید محمد افضل برکاتی (I.P.S) مدھیہ پردیش (۴) سید نجیب حیدر نوری برکاتی نائب سجادہ نشین سید آلِ عبا قدس سرہ کی بڑی صاحبزادی حافظہ سیدہ عائشہ خاتون کا عقد سید صاحب سکندرہ راؤ سے ہوا۔ آپ کے اکلوتے صاحبزادے ہیں ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم صاحب جو جامعہ اسلامیہ میں شعبۂ تاریخ کے صدر تھے اور ابھی جارڈن یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ اور ایک صاحبزادی ہیں جو حضرت نظمی مدظلہ کی اہلیہ محترمہ ہیں۔ ان دنوں برکاتی بزرگوں کا فیضان حضرت نظمی اور امین ملت کے ذریعہ سارے عالم میں جاری ہے۔

..........☆☆☆..........

حکیم اہلِ سُنّت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا

ایک تاریخی انٹرویو

انٹرویو: محمد رضاءالمصطفیٰ چشتی نظامی

مرکزی مجلس رضا لاہور کے زیر اہتمام سالانہ جلسہ "یوم رضا" منعقدہ ۲/ مارچ ۱۹۷۵ء بمطابق ۱۸/ صفر ۱۳۹۵ھ بمقام جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور میں شرکت کا موقع ملا۔ اس اجلاس کی عظیم کامیابی سے متاثر ہو کر اور مطبوعات مرکزی "مجلسِ رضا" کے مطالعہ کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ اس ادارے کی تاریخ اور آئندہ کے عزائم معلوم کیے جائیں۔ چنانچہ اراکین مجلس کے مشیر علمی مخدوم الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی کے پاس چند سوالات لے کر حاضر ہوا۔ انہوں نے ازراہِ کرم میرے سوالات کے جو جوابات دیئے وہ اس قابل ہیں کہ عوام اہل سنت بالخصوص عشاق امام احمد رضا کو بھی ان سے مطلع کیا جائے۔

سوال: مجلس رضا کب اور کس نے قائم کی؟

جواب: میرے مشورے سے الحاج محمد عارف رضوی ضیائی صاحب نے چند مخلص احباب کے تعاون سے ۱۹۶۸ء میں اپنے مکان واقع روشن اسٹریٹ نیا مزنگ لاہور میں قائم کی اور وہی مجلس کے پہلے صدر مقرر ہوئے اور اس سلسلے میں انہوں نے انتھک محنت سے کام کیا مگر وہ ذاتی مصروفیات کے باعث ۱۹۷۰ء میں مجلس کی صدارت سے علیحدہ ہوگئے لیکن ان کی تمام تر دلی ہمدردیاں آج مجلس کے ساتھ ہیں اور مرکزی "مجلس رضا" کے صحیح بانی وہی ہیں۔

سوال: مجلس رضا کے قیام کے مقاصد پر روشنی ڈالیے۔

جواب: امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ بلند پایہ عالم دین ہیں کہ گذشتہ دو سو سال میں اُن کے مرتبہ اور مقام کا فقیہہ اور متنوع علوم وفنون پر حاوی کوئی اور شخصیت نظر نہیں آتی اور جو شخص بھی ان کی کتابوں کا بنظرِ عمیق مطالعہ کرے گا، اُسے میری رائے سے لازماً متفق ہونا پڑے گا مگر افسوس کا مقام یہ ہے کہ اس رجلِ عظیم کے بارے میں اپنوں نے تو کچھ بھی کام نہ کیا اور جو کچھ کیا وہ جدید تقاضوں کو پورا نہیں کرتا تھا مگر دوسری طرف مخالفین اہل سنت نے اس عظیم و جلیل شخصیت کے بارے میں کذب بیانی اور دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے عوام و خواص کے اذہان میں اعلیٰ حضرت کے خلاف غلط تاثرات پیدا کر دیئے تھے۔ اندریں حالات "مرکزی مجلس رضا" کے قیام کی شدید ضرورت محسوس کی گئی اور اس نے سیاست سے علیحدہ رہ کر اعلیٰ حضرت عظیم المرتب کے صحیح علمی منصب اور علو

مرتب نیز ان کی ناقابل فراموش دینی وعلمی خدمات سے عامۃ الناس کو روشناس کرانے کا بیڑہ اٹھایا۔

سوال: الحاج محمد عارف قادری ضیائی کی علیحدگی کے بعد پھر یہ کام کس کے سپرد ہوا؟

جواب: جناب ضیائی صاحب کے بعد ڈاکٹر اختر حسین صاحب صدر، جناب محمد شفیع رضوی نائب صدر، جناب ظہور الدین خان صاحب سیکریٹری اور جناب محمد مقبول احمد قادری ضیائی خازن مقرر ہوئے، اور موخر الذکر دونوں حضرات کی خدمات بہت زیادہ ہیں اور حق یہ ہے کہ ان ہی کی وجہ سے ''مجلس رضا'' روز افزوں شاہراہ ترقی پر گامزن ہے۔ حضرت الحاج صاحبزادہ سید محمد حسین شاہ صاحب گیلانی غوری ضیائی مدظلہ العالی اس مجلس کے سرپرست ہیں۔

سوال: مرکزی ''مجلس رضا'' کا دفتر نوری مسجد سے ملحقہ عمارت میں کب منتقل ہوا؟

جواب: الحاج محمد عارف رضوی ضیائی کے استعفیٰ کے بعد۔

سوال: مرکزی ''مجلس رضا'' نے آج تک کون کون سی کتابیں شائع کی ہیں؟

جواب: جو کتب و رسائل مجلس رضا کی طرف سے طبع ہو کر اطراف و اکناف عالم میں مقبول خاص و عام ہو چکے ہیں اُن کے نام یہ ہیں:

۱۔ تجلی المشکوٰۃ	از: اعلیٰ حضرت قدس سرہ (۵؍ہزار)
۲۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کا فقہی مقام	از: مولانا اختر شاہجہانپوری (۱؍ہزار)
۳۔ فاضل بریلوی اور ترکِ موالات	از: ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد (ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی)
۴۔ پیغامات یوم رضا	از: محمد مقبول احمد قادری رضوی ضیائی
۵۔ مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری	از: ملک شیر محمد خاں اعوان
۶۔ سوانح سراج الفقہا	از: مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری
۷۔ فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	از: ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد (ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی)
۸۔ فاضل بریلوی کا فقہی مقام	از: مولانا غلام رسول سعیدی
۹۔ المجمل المعدد لتالیفات المجدد	از: علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۔ محاسنِ کنز الایمان	از: ملک شیر محمد خان اعوان
۱۱۔ اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر	از: سید نور محمد قادری

اور یہ کتابیں پاک و ہند کے علاوہ دنیا کے اکثر ممالک کے اہل علم وفضل وکمال کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ جن ممالک میں مجلس کی مطبوعات جا چکی ہیں ان کے نام یہ ہیں: حجاز مقدس، مصر، کویت، شارجہ، ترکی، تھائی لینڈ، امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، ایران، افغانستان، مسقط، ماریشس وغیرہ۔ آپ نے ''جلسہ یومِ رضا'' پر حضرت مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری صاحب سے سُنا ہوگا کہ انہوں نے برطانیہ کے حالیہ دورہ کے دوران مجلس رضا کی تصانیف وہاں کے اکثر اہل اسلام کے ہاتھوں میں دیکھیں۔ ان تصانیف میں بعض متعدد مرتبہ طبع ہوئی ہیں۔

سوال: جلسہ "یوم رضا" کے انعقاد کے بارے میں بھی کچھ ارشاد کیجئے؟

جواب: مرکزی "مجلس رضا" نہ صرف خود "یوم رضا" کو نہایت تزک واحتشام سے مناتی ہے بلکہ ہر قصبہ اور ہر شہر کے عوام میں بذریعہ اخبارات یہ اپیل کرتی رہی ہے کہ وہ ہر سال اعلیٰ حضرت کی یاد میں نورانی مجلس منعقد کیا کریں۔ چنانچہ اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور الحمدللہ کہ اب پورے ملک میں یوم رضا کی تقاریب انعقاد پذیر ہونے لگی ہیں اور بیرونی ممالک ماریشس، افریقہ اور انگلستان وغیرہ میں بھی اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

سوال: "مجلس رضا" کے آئندہ کے عزائم کے متعلق بھی آپ اظہار خیال مناسب سمجھیں گے؟

جواب: مجلس کی طرف سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز پر متعدد نئی تصانیف وقتاً فوقتاً منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی رہیں گی اور سابقہ مطبوعات کی طباعت واشاعت بھی پروگرام میں شامل ہے۔

سوال: جبکہ مرکزی مجلس رضا ایسی قیمتی اور دیدہ زیب کتابیں طبع کراکر بلاقیمت تقسیم کرتی ہے تو ان کے مصارف کے انتظام کی کیا صورت ہے؟

جواب: مجلس رضا کا کام محض اللہ تعالیٰ کے بھروسہ چل رہا ہے۔

سوال: مصارف کے انتظام کی کیا صورت ہے؟

جواب: جب کوئی کتاب چھاپنے کا پروگرام بنتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طباعت کے اسباب بھی خود ہی پیدا فرمادیتا ہے۔ دوست احباب سے حسب ضرورت مطالبہ کرلیا جاتا ہے اور یہ خدمت تقریباً جناب مقبول احمد قادری ضیائی صاحب کے سپرد ہے۔ موصوف مخیر احباب سے مطالبہ کرتے ہیں اور اُن کے اخلاص کا ہاتھ کبھی خالی رہا ہی نہیں اور وہ اپنی گرہ سے بھی بہت کچھ صرف کرتے رہتے ہیں۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

سوال: "مجلس رضا" کی کئی سال کی کوششوں کے نتائج پر بھی روشنی ڈالیے؟

جواب: کارخیر ہمیشہ نتائج سے بے پرواہ ہوکر کرنا چاہیے۔ چنانچہ مجلس کا کام اسی اصول کے تحت ہورہا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں کرتا لہٰذا غائیت درجہ مفید نتائج برآمد ہوئے ہیں، تحدیثِ نعمت کے طور پر چند مثالیں عرض ہیں۔ آج سے آٹھ سال قبل تک اخبارات میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا صرف نام لکھا جانا بھی محال تھا اب آپ دیکھتے ہیں کہ ہر سال اخبارات میں آپ سے متعلق بکثرت مضامین شائع ہوتے ہیں۔ "اردو دائرۃ المعارف" پنجاب یونیوسٹی میں اعلیٰ حضرت پر "رضا بریلوی" کے عنوان کے تحت پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کا ایک تحقیقی مقالہ چھپ چکا ہے اور اکثر غیر جانب دار محققین اس عظیم شخصیت کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں ریڈیو، ٹیلی ویژن پر تقاریر ہونے لگی ہیں۔

اعلیٰ حضرت پر ایم۔اے کے مقالے لکھے جاچکے ہیں اور ایک صاحب ان پر پی.ایچ.ڈی بھی کررہے ہیں۔ ملک کے مشہور مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنی انگریزی تالیف "علماء اِن پالیٹکس" میں تحریک ترکِ موالات میں اعلیٰ حضرت کے اہم کردار کا ذکر "مجلس رضا" کی شائع کردہ

کتاب ''فاضل بریلوی اور ترک سوالات'' کے حوالے سے کیا ہے۔ یکم اپریل ۱۹۷۵ء کے اردو ڈائجسٹ میں جناب مقبول جہانگیر کا اعلیٰ حضرت پر ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اردو ڈائجسٹ جیسے پرچے سے قبل ازیں یہ توقع عبث تھی ۔ ۱۹۷۱ء کے ''عید میلاد النبی ﷺ'' کے موقع پر ''مجلس رضا'' کے معاونِ علمی جناب حفیظ تائب صاحب نے اعلیٰ حضرت کی نعت گوئی پر نہایت پُر مغز تقریر کی اور امسال ۲۵ رصفر ۱۳۹۵ھ کو کراچی ٹیلی ویژن سے جناب حسن مثنیٰ ندوی نے فاضلانہ تقریر کی جو سب اسٹیشنوں سے ٹیلی کاسٹ ہوئی۔ ازیں علاوہ مجلس بیرونی ممالک کے علماء کو اعلیٰ حضرت کی خدماتِ جلیلہ سے متعارف کرانے کی مساعی کر رہی ہے۔ مرکزی مجلس رضا لاہور کی موثر خدمات کے مفید نتائج سے مخالفین اہل سنت حواس باختہ ہوگئے ہیں۔ چنانچہ ہفت روزہ اہل حدیث لاہور نے ۲۱ر مارچ کے شمارے میں رونا رویا ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا چرچا کیوں کر ہو رہا ہے اور خاص طور پر یہ شکایت کی ہے کہ ان کے پروگرام ریڈیو پر کیوں نشر ہوتے ہیں۔

سوال: کسی کام کی اہمیت کا اندازہ اس کی مخالفت سے ہوتا ہے۔ آپ بتا سکتے ہیں کہ اپنوں یا بیگانوں میں مجلس رضا کی مخالفت کی کیا نوعیت ہے؟

جواب: اپنوں میں سے چند حاسدوں یا شہرت کے بھوکوں کے سوا جملہ اہل سنت کارکنانِ ''مجلس رضا'' کے لیے دعا گو ہیں اور بیگانوں کی مخالفت ظاہر و باہر ہے۔ چنانچہ بعض وہ لوگ جو اہل سنت کو تنگ نظری کا طعنہ دیتے نہیں تھکتے احقر (حکیم موسیٰ امرتسری) سے صرف اس لیے ناراض ہو گئے ہیں کہ میرا مرکزی ''مجلس رضا'' سے تعلق کیوں ہے۔ مثلاً مشہور خطاط نفس رقم صاحب کو جب علم ہوا کہ ''مجلس رضا'' کے ساتھ احقر کا کچھ تعلق ہے تو وہ انقطاع تعلقات پر مجبور ہو گئے۔ اس موقع پر جناب نفیس کی وسعتِ قلبی کا ایک اور واقعہ بتانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ ''مکتبہ نبویہ'' والوں نے انہیں ''فتاویٰ رضویہ'' کا ٹائیٹل لکھنے کو بھیجا اور انہوں نے اس کی کتابت سے انکار کر دیا یعنی وہ اپنے قلم سے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا نام خاص واسمِ گرامی لکھنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ بات ایک دوسرے صوفی منش خطاط تک پہنچی تو انہوں نے اسے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی کرامت قرار دیا یعنی اعلیٰ حضرت نے اپنا نام اپنے مخالف سے لکھوانا پسند نہیں کیا۔ کراچی کے ایک اور دیو بندی نے کھل کر کہہ دیا کہ ہم تو آپ کے اعلیٰ حضرت کو دفن کر چکے تھے مگر آپ نے پھر زندہ کر دیا ہے، لہٰذا اب ہمیں مزید پچاس سال رات دن کام کرنا پڑے گا۔

اس پر احقر نے کہاں، گویا آپ کو مزید پچاس سال کذب وافتراء کا وظیفہ پڑھنا پڑے گا۔ اس پر وہ خاموش ہو گیا۔ میں ان لوگوں کی اس روش سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ''مجلس رضا'' نے معقولیت کے ساتھ جو کام کیا ہے اس سلسلے سے یہ بوکھلا گئے ہیں اور مجلس کے کام کے مؤثر ہونے کی یہ بیّن دلیل ہے۔

سوال: آپ اس موقع پر کوئی ایسی بات بتانا پسند فرمائیں گے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اعلیٰ حضرت کے مخالفین کس کس قسم کے کذب وافتراء سے کام لیتے ہیں؟

جواب: چند سال کی بات ہے کہ نقشبندیہ سلسلہ کی ایک خانقاہ کے ایک ایسے منتظم جو دیو بندی مذہب اختیار کر چکے ہیں اور اپنے اسلاف کو بھی دیوبندی ثابت کرنے میں کوشاں نظر آتے ہیں۔ وہ لاہور آئے تو پروفیسر محمد اقبال مجددی صاحب انہیں اس غرض سے ملنے گئے کہ مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بارے میں اگر اُن کے ہاں کوئی لٹریچر ہو تو اسے ان کے پاس جا کر دیکھا جائے۔ دورانِ گفتگو اُن پیر صاحب نے تقویٰ بر طرف یہ کہہ دیا کہ ''مولوی احمد رضا خاں بریلوی نے اعلیٰ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تکفیر و تکذیب کی تھی اور پھر مخالفت کے خوف سے اس نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا تھا''۔ محمد اقبال صاحب نے مجھے یہ بات بتائی تو میں نے انہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی حسب ذیل تحریر دکھائی جس میں ان لوگوں کی ایسی بہتان تراشیوں کا ذکر کیا ہے وھوھذا۔

''عوام المسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے فتویٰ تکفیر کا کیا اعتبار، یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں، ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ اسماعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، مولوی اسحٰق صاحب کو کہہ دیا، مولوی عبدالحئی صاحب کو کہہ دیا پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوئی ہے وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا، شاہ ولی اللہ صاحب کو کہہ دیا، حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا، مولانا فضل الرحمٰن کو کہہ دیا پھر جو پورے ہی حد حیا سے اونچے گزر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ معاذ اللہ، العیاذ اللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کہہ دیا۔ غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اسی کا نام لے دیا کہ انہوں نے اسے کافر کہہ دیا یہاں تک کہ ان کے بعض بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہٰ آبادی مرحوم و مغفور سے جا کر جڑ دی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین بن عربی قدس سرہ کو کافر کہہ دیا۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے انہوں نے خط لکھ کر دریافت کیا جس پر یہاں سے رسالہ ''انجاء البری عن وسواس المفتری'' لکھ کر ارسال ہوا اور مولانا نے افتری کذاب پر لاحول شریف کا تحفہ بھیجا غرض ہمیشہ ایسے ہی افتراء اٹھایا کرتے ہیں۔''

(تمہید ایمان بآیات قرآن ص ۶۵۔۶۸)

سوال: آپ مجلس رضا کے کس عہدے پر فائز ہیں؟

جواب: میں مجلس کا رُکن بھی نہیں، عہدے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اراکینِ مجلس مجھ سے حسنِ ظن رکھنے کی وجہ سے میرے مشوروں کو قبول کرتے ہیں اور میں ایک سُنّی ہونے کی حیثیت سے حتی المقدور تعاون کرتا ہوں۔

سوال: میں مجلس رضا کی مطبوعات میں آپ کو مجلس رضا کا روح رواں لکھا دیکھا ہے۔

جواب: یہ سوال لکھنے والوں سے کیجئے۔ مجھ جیسا بے روح انسان ایسے عظیم ادارے کی روح کیسے ہو سکتا ہے۔

سوال: کیا مجلس رضا کا کسی سیاسی جماعت سے تعلق ہے؟

جواب: جہاں تک مجھے معلوم ہے مجلس کا کوئی ذمہ دار شخص کسی سیاسی جماعت سے متعلق نہیں ہے اور علمی اداروں کے اراکین کو سیاست سے کنارہ کش رہنا ضروری بھی ہے۔ سیاست میں الجھنے والے کبھی علمی کام نہیں کر سکتے۔

سوال: مجلس رضا کی کوئی شاخ قائم ہوئی ہیں؟

جواب: گوجرانوالہ میں "مجلس رضا" کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا ہے جس کا الحاق مرکزی "مجلس رضا" سے ہے یہ لوگ مرکزی "مجلس رضا" کی اعانت کرتے ہیں۔ اس ادارہ کے صدر علامہ محمد فرید رضوی ہیں۔ حال ہی میں ایک شاخ انگلستان میں بھی قائم ہوئی ہے۔ جناب محمد الیاس صاحب ساکن چشیائی کی مساعی جمیلہ سے یہ ادارہ معرض وجود میں آیا ہے۔ انگلستان کی یہ شاخ مرکزی "مجلس رضا" لاہور کی مطبوعات کے انگریزی تراجم شائع کرے گی۔ چنانچہ انہوں نے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی کی مقبول ترین تالیف "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" کا انگریزی ترجمہ شروع کر دیا ہے جو بہت جلد مانچسٹر سے شائع کیا جائے گا ان شاء اللہ العزیز۔ اور یہ لوگ مانچسٹر میں باقاعدگی سے "یوم رضا" منایا کریں گے۔ اس کے علاوہ بعض احباب جن کا تعلق ممبئی مالیگاؤں (مقیم انگلستان) سے ہے مجلس کی مطبوعات کا ترجمہ گجراتی زبان میں عنقریب شائع کر دیں گے۔ انشاء اللہ گجراتی کا یہ کام مولانا نیاز احمد مصطفوی اور مولانا محمد میاں صاحب کریں گے۔

سوال: آپ مرکزی "مجلس رضا" کے ذمہ دار حضرات کا اگر مختصر تعارف کرادیں تو بہتر ہوگا؟

جواب: مرکزی مجلس رضا کے بانی سابق صدر جناب الحاج پیر محمد عارف رضوی ضیائی لاہور کی ارائیں برادری کے ایک جواں سال چشم و چراغ ہیں، زمیندار ہیں اور ضیاء الملت والدین حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی مہاجر مدنی مدظلہ العالی خلیفہ مجاز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ سے بیعت ہیں اور حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن قادری رضوی مدظلہ سے اجازت یافتہ بھی ہیں۔ سرست جناب الحاج صاحبزادہ پیر طریقت سید محمد معصوم شاہ قادری نوری زمیندار ہیں، تاجر ہیں، پیر ہیں۔ شاہ صاحب موصوف ضیاء الملت والدین حضرت ضیاء الدین احمد قادری مدنی سے بھی فیض یافتہ ہیں، صدر محترم الحاج اختر حسین صاحب حضرت سید محمد معصوم شاہ قادری کے مرید رشید ہیں اور پنجاب ہوٹل کے مالک ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نہایت نیک، مخلص انسان ہیں۔ نائب صدر میاں محمد شفیع رضوی صاحب حضرت علامہ ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ اور مقبول عام پریس لاہور اور ہجویری پبلشرز کے مالک ہیں۔ سیکریٹری جناب ظہورالدین خان صاحب کسی دفتر میں ملازم ہیں اور اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کے شیدائی ہیں۔ انہوں نے مجلس کے لیے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔ خازن جناب الحاج مقبول احمد قادری رضوی ضیائی مدظلہ العالی بہترین پائپ میکر اور حضرت ضیاء الملت والدین ضیاء الدین احمد قادری مدنی مدظلہ العالی کے مرید صادق ہیں۔ اراکین "مجلس رضا" پر حضرت ضیاء الملت والدین مدنی مدظلہ العالی کی خاص نگاہ کرم ہے گویا اس مجلس کی حقیقی روح حضرت موصوف کا

فیضانِ نظر ہے۔

اس موقع پر مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری، مولانا الحاج باغ علی نسیم، علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے، جناب بشیر حسین ناظم ایم اے، جناب ابوالطاہر فدا حسین مدیر مہر و ماہ لاہور، جناب محمد عالم مختار حق صاحب اور مورخ لاہور جناب میاں محمد الدین کلیم کا ذکر نہایت ضروری ہے۔ یہ حضرات مرکزی مجلس رضا کے یوم تاسیس سے ہی خصوصی معاونت فرما رہے ہیں تقریباً عرصہ ۴ سال سے فاضل جلیل مولانا عبدالحکیم شرف قادری، مولانا الحاج محمد منشاء تابش قصوری چشتی سیالوی مخلصانہ تعاون فرما رہے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی پرنسپل گورنمنٹ کالج سندھ کی کرم فرمائیوں کا تو شکریہ ادا کرنا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین!

سوال: آپ نے کبھی سیاست میں حصہ لیا ہے؟

جواب: تحریک پاکستان کے دنوں میں مشائخ کرام بالخصوص مرشدی شیخ المشائخ حضرت میاں علی محمد خاں رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق مسلم لیگ میں کام کیا۔ مگر تشکیل پاکستان کے بعد کسی سیاسی جماعت سے کوئی تعلق نہیں رہا اور اب گوشہ تنہائی کی تلاش ہے۔

سوال: میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت ضائع کر کے مجلس رضا کے بارے میں نہایت قیمتی معلومات بہم پہنچائیں اور اب میں آپ سے کچھ مزید استفسارات کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ فیض الاسلام راولپنڈی اور دیگر جرائد میں آپ نے بعض ایسے علماء پر مضامین لکھے ہیں جو اہل سنت کے مخالفین میں شمار ہوتے ہیں؟

جواب: آپ نے مجھ سے بڑی اہم بات پوچھی ہے میں یہ جواب دے کر آپ کو مطمئن کر سکتا ہوں کہ میں نے وہ سب مضامین ایک مورخ کی حیثیت سے لکھے ہیں لیکن میں تاویلات اور ہیر پھیر کی گفتگو کا عادی نہیں۔ لہٰذا واضح طور پر کہتا ہوں کہ "ایسی سب تحریریں میرے دورِ جاہلیت کی یادیں ہیں۔

محترم چشتی صاحب میں نے آپ کے استفسارات کے جوابات اپنے علم کے مطابق دے دیئے ہیں اب میری معروضات بھی سنئے: مرکزی مجلس رضا اہل سنت کے ایک اہم ادارے کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اس کے سرپرست سید محمد حسن شاہ صاحب قبلہ اور دیگر ذمہ دار حضرات کو اس مجلس کی وسعت دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جناب الحاج محمد عارف ضیائی صاحب کو مجبور کر کے پھر مجلس میں لانا چاہیے اور یہ خدمت حضرت مولانا محمد عبدالحکیم خاں اختر شاہ جہاں پوری مدظلہ العالی کے سپرد ہونی چاہیے اس لیے کہ موصوف ذی علم ہونے کے ساتھ ساتھ راسخ العقیدانسان ہیں اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک کے صحیح ترجمان۔ حضرت صاحب اعلیٰ حضرت پر ایک ضخیم کتاب بنام "معارف رضا" لکھ رہے ہیں جو بلاشبہ اس موضوع کا انسائیکلوپیڈیا ہوگی۔

(بشکریہ "ہفت روزہ الہام" بہاولپور، شمارہ (۱) ۲۱ر اپریل ۱۹۷۵ء (۲) ۲۹ر اپریل ۱۹۷۵ء (۳) ۵ر مئی ۱۹۷۵ء)

حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب قبلہ کی جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف میں تشریف آوری

از: مولانا عبدالسلام رضوی۔ مدرس جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف

دنیائے اہل سنت کے مشہور و معروف اور متبحر پاکستانی عالم دین حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف صاحب قادری مدظلہ العالی، بتاریخ ۶؍شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف میں تشریف لائے۔ جامعہ کی جانب سے آپ کے اکرام میں ایک پروقار مجلس استقبالیہ کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں جامعہ کے پرنسپل حضرت علامہ محمد حنیف خاں صاحب قبلہ و دیگر جملہ مدرسین و طلبہ نے شرکت کی۔ بالخصوص شیخ الحدیث جامعہ بقیۃ السلف، صدر العلماء حضرت علامہ مولانا محمد تحسین رضا خاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ بھی مجلس میں رونق افروز رہے۔

تلاوت کلام اللہ سے مجلس کا آغاز ہوا۔ فیروز عالم متعلم جامعہ نے امام الکلام کا نعتیہ کلام سنا کر اہل بزم کو محظوظ کیا۔ محمد مشاہد نے اسی موقعہ کے لئے لکھا گیا "ترانۂ مسرت" پیش کیا۔

ہر رخ پہ ہے تابانی ہر دل کو مسرت ہے
ہے دیدِ شرف حاصل، ہم سب کی سعادت ہے

تشریف یہاں لائے، دل سب کے ہیں مسکائے
یہ ان کی عنایت ہے، یہ ان کی محبت ہے

سرحد کی یہ دیواریں، ہرگز نہیں توڑیں گی
یہ قلبی علاقہ جو، ایماں کی بدولت ہے

یہ بات حقیقت ہے، اس میں نہ غلو سمجھو
اس دور میں ذات اِن کی سرمایۂ ملت ہے

حکمت کی شرافت بھی، کردار کی عظمت بھی
ہیں دونوں انھیں حاصل، مولیٰ کی عنایت ہے

گہ جلبِ منافع ہے، گہ درءِ مفاسد ہے
منظور انہیں ہر دم، مسلک کی حمایت ہے

دشمن نے یہ سوچا تھا کہ نام مٹا دیں گے
ہے نامِ رضا گھر گھر، اللہ کی قدرت ہے

ہیں یوں تو ہنر والے، دنیا میں بہت لیکن
عظمت اسے ملتی ہے، جو خادمِ ملت ہے

امید کہ محشر میں، نیکوں کی ملے سنگت
کیا مجھ میں ہنر لیکن، نیکوں سے محبت ہے

استاذ جامعہ حضرت مولانا صغیر اختر صاحب نے حضرت شرف صاحب قبلہ کے قدوم میمنت لزوم پر عربی زبان میں خوبصورتی کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار فرمایا۔ راقم السطور نے "نذرانۂ عقیدت" کے عنوان سے اپنے مسطورہ ذیل تاثرات پیش کئے۔

"آج ہمارے فرح و انبساط کا جو عالم ہے، الفاظ کے خطیب اس کو بیان کرنے سے قاصر، اور

تحریر کے نقوش ہمارے دلی جذبات وکیفیات کی عکاسی کرنے سے عاجز ہیں۔ کیونکہ آج دنیائے علم و فضل کی عظیم ترین شخصیت، تدریس وتصنیف، تحریر وتقریر کے جامع، اخلاص ومحبت، شفقت ونوازش کے پیکر جمیل، یقین محکم، عمل پیہم اور حق گوئی وبیباکی کے حامل، شریعت وطریقت کے مجمع بحرین، عظمتِ شان اور تواضع وانکسار کے مادۂ اجتماع، مملکتِ استغناء وقناعت کے تخت نشین، تعلیماتِ امام احمد رضا کے صاحب بصیرت اور سرگرم مبلغ، مختلف عنوانات پر درجنوں بلند پایہ کتابوں کے مصنف ومترجم، عربی فارسی اور اردو پر یکساں مہارت رکھنے والے ادیب، عصری تقاضوں کے نبض شناس حکیم، شرف اہل سنت، حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف صاحب قادری قبلہ ہمارے درمیان تشریف فرمائیں۔ اور ہم ان کے دیدار سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔

بربطِ دل ہے عجب انداز سے یوں نغمہ سنج
اپنے گھر مہمان ہیں عبدالحکیم قادری

دنیائے اہل سنت کے وہ تمام افراد قدر ومنزلت کے حقدار اور ہدیۂ تحسین وتبریک کے سزاوار ہیں، جو کسی بھی حیثیت سے دین ومسلک کی تقویت واشاعت میں مصروف عمل ہیں۔ لیکن اس مبارک جماعت میں ایک طبقہ وہ ہے جو بساطِ عالم پر رونما ہونے والے انقلابات وتغیرات اور مدّ وجزر کا عمیق مشاہدہ کرنے کیلئے اپنی آنکھوں کو ہمہ وقت کھلا رکھتا ہے۔ اور ان کا دل ودماغ ان تغیرات وانقلابات کے مقتضیات واثرات پر غور کرنے میں مصروف اور مثبت انقلابات کے ساتھ ہم آہنگی اور منفی تغیرات کے اثرات کو زائل کرنے کیلئے تدبر وتفکر میں مشغول رہتا ہے۔ اور پھر وہ تدبر وتفکر حروف کے نقش ونگار کی صورت میں صفحۂ قرطاس پر منتقل ہو کر' اہلِ حق کی آنکھوں کو نور، دل کو سرور بخشتا، فریب خوردہ لوگوں کی آنکھیں کھولتا، اور بیماروں کی مسیحائی کرتا ہے۔

حضرت علامہ شرف صاحب قبلہ بھی اُسی دیدہ ور صاحبِ فراست طبقہ میں شامل اور مقام بلند کے حامل ہیں۔ جب بھی وقت کے تقاضوں نے آواز دی، آپ نے ان پر توجہ فرمائی۔ اور جب بھی گمراہیوں کی آندھیاں اٹھیں آپ نے قوم کی حفاظت کے لئے اپنی توانائیاں صرف فرمائیں۔

میرا حسنِ ظن ہے کہ اس صداقت وحقیقت پر مبنی دعوے سے اختلاف نہ کیا جائیگا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ دعویٰ بلا دلیل نہ رہے۔ اور اسی تعلق سے بطور نمونہ موصوف محترم کی ایک ''عظیم خدمت'' کا ذکر کر دیا جائے''۔

نگفتہ ندارد کسے باتو کار ❁ ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

غیر مقلد احسان الٰہی ظہیر نے عربی زبان میں ''البریلویہ'' لکھکر اہل سنت وجماعت کی کردار کشی میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ ان کے عقائد ونظریات کو بیجا تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس میں صریح اکاذیب اور کھلے اتہامات تراش کر اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا۔ غیر ملکی امداد پر اس کتاب کی وسیع پیمانے پر اشاعت

کی گئی ۔ اور دنیائے عرب کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ بریلویت ایک نیا دین ہے، جو امور شرکیہ اور بدعات وخرافات پر مشتمل ہے۔

اس مکروہ پروپیگنڈے کے مقابلہ میں موثر تدبیر یہی تھی کہ اہل سنت کے ان عقائد نظریات کو قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے ارشادات کی روشنی میں مدلل طور پر عربی زبان میں لکھ کر شائع کیا جائے جن کو احسان الٰہی نے تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ تاکہ مکروفریب کا پردہ چاک ہو، اور جو لوگ فریب کا شکار ہیں، لیکن انصاف ودیانت سے تعلق رکھتے ہیں وہ حقیقت وصداقت کی روشنی پاکر دجل وفریب کے اندھیرے سے نکلیں۔

حضرت علامہ شرف صاحب قبلہ اس عظیم خدمت کے لئے کمربستہ ہوئے۔ اور آپ نے اہل سنت کے عقائد ونظریات اور ان کے دلائل وبراہین پر مشتمل عربی میں ایک وقیع وعظیم کتاب ''من عقائد اہل السنہ'' تصنیف فرمائی۔ جس کی حرمین شریفین، بیروت، مصر، دوبئی، ترکی وغیرہ ممالک میں اشاعت کی گئی۔ ہندوستان میں ''رضا اکیڈمی ممبئی'' نے اس کو چھاپا' اور دینی مدارس، لائبریریوں اور علماء ومشائخ کیلئے ہدیۃً مہیا کی۔

بلاشبہ حضرت علامہ شرف صاحب قبلہ کا یہ وہ عظیم ترین کارنامہ ہے جس پر وہ پوری دنیائے سنیت کی طرف سے بجاطور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔ رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری صاحب مدظلہ العالی اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ہم اسے اپنے نظریات کی اساسی کتاب کہہ سکتے ہیں۔''

اردو میں بھی آپ نے اس کا جواب لکھا۔ جس کا نام ''اندھیرے سے اُجالے تک'' ہے۔ اس میں ''البریلویہ'' کے ہر الزام کا شرح وبسط کے ساتھ جواب پیش فرمایا ہے۔ یہ کتاب بھی بہت پسند کی گئی۔ اور کثیر تعداد میں اس کی اشاعت ہوئی۔ اور ''البریلویہ'' کے اردو ایڈیشن کی وجہ سے ہند وپاک میں غلط فہمی کا جو سیلاب آسکتا تھا ''اندھیرے سے اجالے تک'' نے اس کے لئے باندھ کا کام کیا۔

حضرت علامہ محمد احمد صاحب مصباحی مدظلہ العالی فرماتے ہیں: ''اندھیرے سے اجالے تک'' آپ کا عظیم جماعتی اور علمی وتاریخی کارنامہ ہے۔ ''البریلویہ'' کے ہر الزام کا جواب بسط وشرح سے پیش کیا ہے۔ ہر موضوع سے متعلق امام احمد رضا کے حالات وخدمات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ جو بجائے خود ایک سوانحی خدمت ہے۔ جس کی روشنی میں الزامات خود ہی تار عنکبوت کی طرح اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حضرت علامہ نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود متعدد درسی کتابوں پر حواشی تحریر فرمائے جس میں ''مرضاۃ شرح مرقاۃ'' عربی' حاشیہ گریما' حاشیہ نام حق اور حاشیہ نحو میر اردو زیور طباعت سے آراستہ ہوکر عام ہیں۔ آخرالذکر ہندوستان میں بھی عام اور بہت مقبول ہے۔ کچھ اور کتابوں پر بھی آپ نے حواشی لکھے ہیں جو ہنوز مطبوعہ نہیں ہیں۔ حاشیہ قاضی مبارک عربی، حاشیہ حمد اللہ اردو، حاشیہ

مطول عربی، حاشیۂ صدرا اردو۔

یہ بھی وقت کی ایک اہم ضرورت تھی جس کی طرف آپ نے توجہ فرمائی۔ آپ کے بقول: ایک دیوبندی مولوی نے اپنی تقریر میں کہا تھا ' ہمارے علمانے تصنیف و تالیف کے میدان میں وہ کام کیا ہے کہ بریلوی مدارس میں بھی وہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن پر ہمارے علما کے شروح و حواشی ہیں"۔ حضرت موصوف نے عملی طور پر اس طعنہ کا جواب دیا۔ ہندوپاک کے کئی دوسرے علمانے بھی اس میدان میں عظیم خدمات انجام دی ہیں۔ ہندوستان میں امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی صاحب قدس سرہ العزیز اس سلسلہ میں سرخیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اگرچہ اب بھی متعدد درسی کتابیں ہیں جو سنی علما کے حواشی سے خالی ہیں۔ لیکن اب بعونہ تعالیٰ منظم طور پر اس جانب توجہ دی گئی ہے۔ اور ہم انشاء اللہ تبارک وتعالیٰ جلد ہی وہ دن دیکھیں گے کہ تمام درسی کتابیں علمائے اہل سنت کے حواشی سے مزین نظر آئیں گی۔ اس گرانقدر کام میں بھی حضرت موصوف کی جدوجہد شامل ہے۔

آج جامعہ ازھر میں سرکار اعلیٰ حضرت کی علمی عظمت وتبحر کا اعتراف کیا جارہا ہے، اور انوار رضا کی تابانیاں وہاں پھیل رہی ہیں، یہ بھی آپ اور آپ کے رفقائے کرام کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔

اس علمی تبحر، بلند پایگی اور عظیم علمی و دینی خدمات کے باوجود آپ تواضع وانکسار کا پیکر ہیں۔ نحو میر کی تقدیم سے تحشیہ کے لئے مستفاد منہ کتب کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں، "میرا اپنا اس میں کچھ نہیں، البتہ حاشیہ میں جو اغلاط ہونگی وہ بے شک فقیر کا کارنامہ ہونگی"۔

نومبر ۱۹۹۸ء میں بھی آپ جامعہ نوریہ میں تشریف لائے تھے۔ اس وقت کی مجلس استقبالیہ میں جو کلماتِ تواضع آپ نے ارشاد فرمائے تھے۔ وہ آج بھی ہماری لوحِ ذہن پر ثبت اور کانوں میں گونج رہے ہیں فرمایا تھا ' میرے بارے میں جو کچھ کہا گیا وہ آپ لوگوں کی محبت ہے۔ دراصل محبت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ تعریف میں مبالغہ چاہتی ہے۔ ورنہ میں صرف ایک طالب علم ہوں۔ اور دعا ہے کہ تازیست طالب علم رہوں۔ یہ تواضع بھی آپ کا ایک عظیم وصف ہے۔

تواضع نہ گردن بلند اس نکوست ❁ گدا گر تواضع کند خوئے اوست

ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

مُتَواضِعٌ وَالتَّنَبُّلُ یَحرِسُ قَدرَہ ❁ وَاَخُو التَّوَاضُعِ بِالنَّبَاهَةِ یَنبُلُ

وہ فروتنی کرتا ہے اور شرافت اس کی قدر و منزلت کی نگہبانی کرتی ہے اور صاحب تواضع شرافت کی وجہ سے معظم و مکرم ہوتا ہے

اور یہ بھی کہا گیا ہے مَنْ وَضَعَ نَفْسَهٗ دُوْنَ قَدْرِہٖ، رَفَعَهُ النَّاسُ فَوْقَ قَدْرِہٖ وَمَنْ رَفَعَهَا عَنْ حَدِّہٖ، وَضَعَهُ النَّاسُ دُوْنَ حَدِّہٖ۔

ہم حضرت شرف صاحب قبلہ کی عظمت و مقبولیت کی صورت میں اپنی چشمانِ سر سے ان اقوال کی صداقت کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

ہم آخر میں استحکام و ترقی کے لئے مخصوص دعاؤں کی درخواست کے ساتھ جامعہ نوریہ کا اجمالی خاکہ بھی پیش کرنا چاہتے ہیں۔ جامعہ ھٰذا ۱۴۰۲ھ میں قائم ہوا۔ جامعہ کا کل رقبہ تقریباً آٹھ ہزار مربع گز ہے۔ بارہ ہزار فٹ پر تعمیرات ہو چکی ہیں۔ جامعہ کے بانی قائم مقام حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ ازہری میاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی اور مہتمم نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت منانی میاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی ہیں۔ شیخ الحدیث استاذ الاساتذہ، نبیرۂ استاذ زمن، حضرت علامہ تحسین رضا خاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی ہیں۔ جامعہ میں حضرت کا وجودِ مسعود طلباء و اساتذہ کیلئے عظیم سعادت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے سائے کو تا دیر ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ آمین۔ صدر المدرسین حضرت علامہ محمد حنیف خاں قبلہ ہیں۔ جو محرک و فعال شخصیت کے مالک ہیں۔ اور نظم و نسق کی بھر پور صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ ادارہ کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے پر جوش جذبات رکھتے ہیں۔ کل مدرسین و ملازمین کی تعداد اٹھارہ ہے۔ یہاں طلبہ کے لئے درسی کتب کے علاوہ تفسیر، حدیث، فقہ کی کتابوں کا گرانقدر ذخیرہ ہے۔

جامعہ میں بیرونی طلبا کے لئے قیام وطعام کا معقول بندوبست رہتا ہے۔ طلبہ کو عصری تقاضوں کے پیش نظر انگلش کی بھی باقاعدہ تعلیم دیجاتی ہے اور کمپیوٹر کی تربیت کا بھی انتظام ہے۔ چنانچہ چار طلبہ اس شعبہ سے مستفید ہو کر اس لائق ہو گئے ہیں کہ وہ اردو پروگرام ''ان پیج'' پر اچھی طرح کام کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد حنیف خاں صاحب قبلہ کی ایک اہم تصنیف کی کمپوزنگ اور پرنٹنگ یہی لوگ کر رہے ہیں۔

جامعہ میں تصنیف وتالیف کا کام بھی جاری ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ محمد حنیف خاں صاحب نے سرکار اعلیٰ حضرت کی جملہ دستیاب تصنیفات کی احادیث کو فقہی ابواب کی ترتیب پر جمع کیا ہے جو ان میں متفرق طور پر منقول تھیں۔ ان کے تحت اعلیٰ حضرت کی تشریحات و افادات نقل کئے ہیں۔ اور تخریجِ احادیث کی اہم و عظیم خدمت بھی انجام دی ہے۔ آپ نے اس کام میں کڑی اور طویل المدت محنت و مشقت برداشت کی ہے۔ اب کتاب کمپوزنگ و پرنٹنگ کے مراحل سے گذر رہی ہے۔ انشاء اللہ عرسِ رضوی تک منظر عام پر آنے کی توقع ہے۔ کتاب پانچ چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہوگی۔

جامعہ کے مفتی و مدرس حضرت علامہ قاضی شہید عالم صاحب نے اعلیٰ حضرت کی غیر مطبوعہ کتاب ''کشف العلہ عن سمت القبلہ'' کے مسودہ کی تبییض فرمائی ہے۔ یہ بڑا وقت طلب کام تھا۔ ایک تو گنجلک تحریر دوسرے مسودہ بوسیدہ اور کرم خوردہ۔ لیکن موصوف نے بعونہ تعالیٰ اس کو مکمل فرمالیا۔ اس کا حاشیہ بھی لکھ رہے ہیں۔ امید ہے یہ کتاب بھی جلد ہی منظر عام پر آجائیگی۔

حضرت علامہ نقی علی خاں قدس سرہ العزیز کی کتاب ''ہدایۃ البریہ'' جو قدیم طرز پر چھپی ہوئی ہے

اس کی جدید ترتیب بھی یہاں ہو چکی ہے۔ اب اس پر توضیحی حواشی کا پروگرام ہے۔ ہدایۃ البریہ کی احادیث کی تخریج کی خدمت حضرت مولانا محمد شکیل صاحب انجام دے رہے ہیں۔ حضرت مولانا صغیر اختر صاحب خواتین کو دس بیبیوں کی فرضی کہانی سننے سنانے سے بچانے کی غرض سے "نیک بیبیوں کی کہانی" لکھنے کا عزم محکم رکھتے ہیں۔ غرضیکہ اس تعلق سے جامعہ میں کچھ نہ کچھ کام ہو رہا ہے۔

ہم اپنے عظیم المرتبت مہمان کی بارگاہ میں ادب واحترام کے ساتھ بے پناہ مسرتوں کے ماحول میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ اور تمنا کرتے ہیں کہ اس کرم فرمائی سے ہم بار بار مشرف ہوتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایۂ گرامی اہل سنت کے سروں پر قائم رکھے۔ آمین

اہلِ بزم کی خواہش پر حضرت موصوف نے بھی اپنے پر مغز، بصیرت آمیز خطاب سے نوازا۔ جس میں آپ نے کئی مفید اور کام کی باتیں ارشاد فرمائیں ان میں سے جو راقم کے ذہن میں ہیں وہ تحریر کی جاتی ہیں۔

جب طلبائے کرام مقررین کی شہرت ومقبولیت اور ان کی شان وشوکت کو دیکھتے ہیں تو ان کے دل میں بھی مقرر بننے کی خواہش بیدار ہوتی ہے۔ اور وہ درسیات کے بجائے اپنی زیادہ تر مساعی اسی مقصد کے حصول میں صرف کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خطیب تو بن جاتے ہیں لیکن اچھے عالم اور مدرس نہیں بن پاتے۔ حضرت موصوف نے اس رجحان کی اصلاح فرمائی۔ اور ایک زود فہم مثال کے ذریعہ مدرس کی عظمت واہمیت کو اجاگر فرمایا۔ آپ نے فرمایا: عمارت کی بنیاد زمین کے اندر پوشیدہ ہوتی ہے۔ لیکن پوری عمارت کی بقاء واستحکام کا مدار اسی بنیاد پر ہوتا ہے۔ یہی مثال مدرس کی ہے۔ اگرچہ بحیثیت مدرس اس کا نام اشتہارات کی زینت نہیں بنتا، اس کا نام سن کر مجمع اکٹھا نہیں ہوتا۔ نہ اسے خاص مادی وسائل حاصل ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ ایک حجرۃ الدرس میں بیٹھ کر علم وفن کی آبیاری میں مشغول رہتا ہے۔ لیکن اس کی شخصیت اس قدر اہم ہوتی ہے کہ یہ خطباء، مناظرین، مبلغین سب اسی کے تدریسی فیضان کا ثمرہ ہوتے ہیں۔

آپ نے فرمایا، آدمی اپنے پیر کے احکام کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ اس کی نافرمانی کو جرمِ عظیم اور اس کی ناخوشنودی کو اپنے حق میں ہلاکت ووبال کا موجب تصور کرتا ہے۔ لیکن اپنے استاذ کے حق میں اس کا رویہ ایسا نیاز مندانہ اور فدا کارانہ نہیں ہوتا۔ یہ فکر اور روش غلط ہے۔

روئے سخن مدرسین کی جانب موڑتے ہوئے فرمایا: حضرت العلام تحسین رضا خاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کا وجود جامعہ کے لئے باعث فخر ہے۔ آپ نے طویل زمانہ درس وتدریس میں گذارا ہے آپ حضرات کو چاہئے کہ حضرت کے تجربات ومشاہدات وخدمات اور آپ کی حیاتِ اقدس کے سلسلہ میں ضروری امور قلم بند فرمائیں تاکہ دوسرے لوگ ان سے استفادہ کریں۔ اور آپ کے حالاتِ زندگی پردۂ خفا میں نہ رہ جائیں۔

آپ نے حضرت سے بایں انداز گذارش کی کہ بزرگوں کو بھی چاہئے کہ اس سلسلہ میں تعاون

فرمائیں اور اپنے حالات و واقعات اور خدمات بتانے سے احتراز نہ برتیں یہ امر تواضع وانکسار کے منافی نہیں۔

فرمایا: ہمارے بعض اکابر اپنے حالات و خدمات کے ذکر سے پرہیز کرتے ہیں۔ آپ نے ایک واقعہ سنایا کہ میں ایک بزرگ عالم دین کے پاس گیا۔ ان کی زندگی سے متعلق کچھ امور معلوم کر کے قلمبند کر لئے۔ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ میں ان کے حالات قلم بند کر رہا ہوں، تو انہوں نے بالکل چپ سادھ لی۔ اب جو ان سے کچھ سوال کرتا ہوں تو بولتے ہی نہیں۔ نہ ہاں کہتے ہیں نہ نا۔ میں مجبور ہو کر بے نیل مرام واپس آ گیا۔

یہ دور قلم و قرطاس کا دور ہے۔ اسی کے ذریعہ نظریات و افکار کی ترویج کی جا رہی ہے، اسی کی مدد سے قلوب و اذہان کو مسخر کیا جا رہا ہے۔ آپ نے اساتذہ و طلبہ کو اس طرف توجہ دلائی۔ اور فرمایا: اگر روزانہ ایک دو سطور بھی آپ لکھیں گے تو تھوڑی ہی مدت میں ایک کتاب تیار ہو جائیگی۔

آپ نے جامعہ نظامیہ لاہور کی کچھ خدمات اور جدید منصوبوں پر بھی روشنی ڈالی۔ اور جامعہ نوریہ کی تعمیری و تعلیمی خدمات کو بھی سراہا اور دعائیں فرمائیں۔

آپ نے طلبہ کو بھی نصیحتیں فرمائی۔ خصوصاً حضور منانی میاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی کے فرزند اکبر جناب سمنانی میاں صاحب سلمہ کے بارے میں فرمایا: "میں سمنانی میاں کی پیشانی میں سعادت و ہوشمندی کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ ہم مستقبل میں صاحبزادۂ گرامی قدر سے اچھی امیدیں وابستہ رکھتے ہیں۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد یوں اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا تھا: میں یہاں آ کر بہت خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ تبسم کرتے ہوئے فرمایا تھا: جی یہ چاہتا ہے کہ یہیں رہ جاؤں۔

صلوٰۃ وسلام اور حضور صدر العلماء کی دعا پر مجلس کا اختتام ہوا۔



بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی

مرتبہ: فیصل ندیم قادری، کراچی۔ پاکستان

خطیب ملت علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی ابن خطیب پاکستان حضرت علامہ حافظ محمد شفیع اوکاڑوی ابن الحاج شیخ میاں کرم الٰہی نقشبندی، ماہ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۷ اگست ۱۹۵۷ء بوقت فجر صبح صادق بمقام سلطان مینشن عقب بولٹن مارکیٹ کراچی میں پیدا ہوئے۔ آپ راسخ العقیدہ اور مصلب سنی حنفی ہیں۔

آپ کا پیدائشی نام عقیقہ کے موقع پر ''احمد'' رکھا گیا آپ نے اپنے پورے نام کا سجع یوں کہا ہے۔

کوکب نورانی را احمد شفیع

آپ یمنی شیوخ کے اس تاجر خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بدولت مشرف بہ اسلام ہوا اور اس خاندان کے افراد بغرض تجارت ہندوستان آئے اور کچھ وہاں آباد ہوگئے، آپ کے خاندان کے بزرگ تاجر پیشہ اور صوفی منش تھے۔

آپ گیارہ بہن بھائی تھے جن میں سے آپ سے دو بڑے بھائی کمسنی میں وفات پاگئے۔ اب آپ سمیت تین بھائی اور چھ بہنیں بفضلہ تعالیٰ حیات ہیں۔

آپ کا ابتدائی بچپن اوکاڑا (پنجاب) میں گزرا' اشرف المدارس ہائی اسکول اور جامعہ حنفیہ اشرف المدارس ملتان روڈ' اوکاڑا میں ابتدائی دینی و دنیوی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے گیارہ برس کی عمر میں مولانا قاری محمد عبداللطیف امجد سعیدی سے قرآن پاک حفظ کیا' میٹرک کا امتحان آپ نے گورنمنٹ بوائز سیکنڈری اسکول نمبر ا' پی.ای.سی.ایچ سوسائٹی کراچی سے ۱۹۷۱ء میں پاس کیا۔ آپ نے انٹر کا امتحان گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی سے ۱۹۷۳ء میں پاس کیا، بی کام اور ایم۔ اے کی مزید تعلیم آپ نے پرائیویٹ کراچی میں حاصل کی' اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری بیرون ملک سے حاصل کی۔

آپ نے دینی تعلیم دارالعلوم حنفیہ غوثیہ کراچی' اشرف المدارس اوکاڑا، اور پھر مدرسہ عربیہ اسلامیہ انوار العلوم ملتان میں مکمل کی' درس نظامی و دورۂ حدیث و تفسیر آپ نے اپنے والد گرامی حضرت علامہ شفیع اوکاڑوی' حضرت شیخ الاسلام مولانا غلام علی اوکاڑوی' غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی، عالم حجاز علامہ سید علوی مالکی' فاضل اجل ملا عبدالکریم درس' مفتی بغداد' فاضل جلیل علامہ زید

ابوالحسن فاروقی مجددی اور مولانا شیخ محمد علی حلبی مدنی جیسے مقتدر علمائے کرام سے مختلف ادوار میں کیا' بعد ازاں آپ نے مدینہ منورہ' دمشق' بغداد' ترکی اور دہلی کے ممتاز علما و مشائخ کرام سے بھی اسناد حدیث و تفسیر اور اجازات حاصل کیں۔

اردو اور فارسی شعر و ادب میں جن لوگوں نے آپ کی رہنمائی فرمائی ان میں سید محمد قائم افسر الہ آبادی' جناب اقتدار احمد اکبر' جناب صوفی غلام مصطفیٰ تبسم' جناب کرنل محمد خان اور جناب شکیل عادل زادہ شامل ہیں۔ اسکول اور کالج کے زمانے میں متعدد مباحثوں اور قرأت و نعت کے مقابلوں میں شامل ہوتے رہے اور انعامات حاصل کیے اور اسی دور سے شعر و ادب سے گہرا لگاؤ رہا۔ اسکول میں بزم ادب کے صدر اور ادبی ماہنامے کے مدیر بھی رہے۔

فنِ خطاطی میں آپ نے قاری محمد طفیل امرتسری اور خطاط اسلام حافظ یوسف سدیدی سے رہنمائی حاصل کی۔ علمی طلب کے ابتدائی دور میں آپ نے "بزم شاہین پاکستان" کے نام سے طلبہ و نوجوانوں کی تنظیم قائم کی جس کا مقصد فروغ تعلیم' نادار طلبہ کی امداد اور قرأت و نعت و تقاریر کے مقابلوں کا انعقاد کرنا اور اسلامی تیوہار منانا تھا۔

۱۹۶۴ء میں آپ غوث زماں حضرت گنج کرم پیر سید محمد اسمٰعیل شاہ بخاری المعروف حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر سلاسلِ طریقت میں بیعت ہوئے' بعد ازاں غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی اور خانوادۂ غوث اعظم رضی اللہ عنہ میں پیر سید طاہر علاء الدین گیلانی کے ہاتھ پر بیعت تبرک کی۔ آپ کو عرب و عجم کے سولہ مشائخ کرام سے تمام سلاسلِ طریقت میں خلافت و اجازت حاصل ہے۔ آپ کے مریدین دنیا بھر میں خاصی تعداد میں ہیں۔ ۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت اور ۱۹۷۷ء میں تحریکِ نفاذِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ میں اپنے والد گرامی خطیب اعظم پاکستان کے شانہ بشانہ نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ ۱۹۶۷ء سے ریڈیو پاکستان سے براڈ کاسٹ اور ۱۹۶۹ء سے تا حال پاکستان ٹیلی ویژن سے ٹیلی کاسٹ کیے جا رہے ہیں۔

آپ یونیورسٹی میں معلم و مدرس بننے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن آپ کے والد گرامی چاہتے تھے کہ آپ انہی کے طریق پر خطیب و ادیب بنیں۔ چنانچہ پہلے جزوی طور پر اور پھر ۱۹۸۴ء سے خطیب اعظم پاکستان حضرت علامہ محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ نے باقاعدہ مستقل درس و خطابت کا سلسلہ شروع کیا اور جامع مسجد گلزار حبیب' سولجر بازار کراچی میں جمعہ کی خطابت و امامت کا آغاز کیا جو تا حال جاری ہے۔ اس سے قبل آپ زیادہ تر تحریری کام کرتے رہے ہیں۔ آپ ۱۹۸۴ء سے تا حیات گلزار حبیب ٹرسٹ کے چیرمین ہیں' جس کے زیر اہتمام جامع مسجد گلزار حبیب' جامعہ اسلامیہ گلزار حبیب اور مسجد نور حبیب زیر تعمیر ہیں۔ ۲۷ اپریل ۱۹۸۴ء کو مولانا اوکاڑوی اکادمی العالمی قائم کی' جس کے آپ بانی و سربراہ ہیں۔ سوادِ اعظم اہلسنت حقیقی اور انٹرنیشنل سنی موومنٹ کے نام سے

بھی عالمی تنظیمیں قائم کیں، جن کے آپ سربراہ ہیں۔ یہ تنظیمیں غیر سیاسی خالص مسلکی علمی اور دینی و فلاحی مقاصد کی تکمیل کے لیے آپ نے قائم کیں۔ اور ان تینوں اداروں کی شاخیں بیرون ممالک میں بھی کارہائے نمایاں انجام دے رہی ہیں۔ صدقات جاریہ کے متعدد کام اس کے علاوہ ہیں۔ آپ نے گزشتہ ۲۵ سال سے عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر نہایت خوش نما عید کارڈ شائع کر کے تقسیم کرنے کا سلسلہ شروع کیا جس میں ہر سال نیا مضمون ہوتا ہے اور اسے بہت پسند کیا جاتا ہے۔ اسلامی کتب کی طباعت کے دو ادارے کرماں والا پبلشرز اور نورانی کتب خانہ بھی آپ کی سرپرستی میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ۱۹۹۶ء میں آپ نے امریکا میں جماعت اہلسنت قائم کی۔ کچھ ملکوں میں دینی درس گاہیں پہلی مرتبہ آپ نے قائم کیں۔ آپ نے ملک میں متعدد سرکاری اور بیرون ملک بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی اور چالیس کے قریب ممالک کے تبلیغی دورے بھی کئے۔ جن میں چیدہ چیدہ ممالک حجاز مقدس، شام، اردن، عراق، مصر، ترکی، متحدہ عرب امارات، عمان، کینیا، زمبابوے، ملاوی، ری یونین، لی سوتو، جنوبی افریقہ، بوٹ سوانا، بپوتو سوانا، سوازی لینڈ، برطانیہ، ماریشس، فرانس، بھارت، افغانستان اور امریکا وغیرہ ہیں جہاں آپ متعدد بار گئے اور اب تک تین سو سے زائد غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کیا اور مسلک حق اہلسنت و جماعت کی ترویج و اشاعت اور اصلاح عقائد و اعمال کا فریضہ انجام دیا۔ آپ نے جزوی طور پر تدریس کا فریضہ بھی انجام دیا لیکن آپ کا زیادہ رجحان تحقیق و تصنیف اور خطابت کی طرف مائل رہا اور اب تک ملک بھر اور بیرون ملک تقریباً پانچ ہزار خطابات کر چکے ہیں۔ آپ کو متعدد زبانیں آتی ہیں جن میں اردو، پنجابی، عربی، فارسی، اور انگریزی شامل ہیں۔ اور ان زبانوں میں قریباً بارہ ہزار کتابیں آپ کی ذاتی لائبریری میں موجود ہیں۔ آپ قرآن پاک کا انگریزی میں ترجمہ بھی کر رہے ہیں۔ آپ نے اردو اور انگریزی زبان میں کئی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں آپ کی پہلی مذہبی کتاب ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔ آپ کی دیگر تصنیفات کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں۔

اذان اور درود شریف، دیوبند سے بریلی، اسلام کی پہلی عید، سفید و سیاہ، مسئلہ امامت، پیر جی سرکار کرماں والے، ختم شریف حضرت داتا گنج بخش، خمینی۔ چند حقائق، حق کی فتح، شجرۂ طیبہ، حقائق (غیر مقلدین کا رد) اوراد مشائخ، مزارات و تبرکات اور ان کے فیوضات، خطیب پاکستان اپنے معاصرین کی نظر میں، مقالات کوکب، میرا دین، بدعت کی حقیقت، اپنی ادا دیکھ، احکام نبوی اور ہماری زندگی، بارہ مہینے کے نیک اعمال، قادیانی دجال، والدین رسالت مآب، قبر کے احکام و آداب۔ اس کے علاوہ ملک کے نامور رسائل و جرائد میں آپ کے نادر مضامین شائع ہوئے ہیں۔



نعت کے ادبی فروغ کا بین الاقوامی جریدہ

"نعت رنگ" ایک جائزہ

تجزیہ و تحقیق : عاطف معین قاسمی

اسلامی ادب میں منجملہ دیگر موضوعات کے "سیرت نگاری" ایک اہم اور مقدس موضوع ہے۔ جس پر دنیا کی تمام زبانوں میں قابل قدر کام ہو چکا ہے۔ نعت اسی وسیع اور ہمہ گیر موضوع کا منظوم روپ ہے۔

سیرت نگاری میں حالات، واقعات، اعمال، فرمودات اور تعلیمات کا بیان اور اس سے حاصل شدہ درس کی تفہیم اور تبلیغ ہوتی ہے۔ یہی باتیں نعت میں احساساتی اور تاثراتی انداز میں خوبصورت اسلوب اور دل نشین شعری آہنگ میں بیان کی جاتی ہیں جو قاری یا سامع کو زیادہ متاثر کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔

قرآن حکیم کے بعد ہمیں سیرت نگاری کی اوّلین مثالیں عہد رسالت مآب ﷺ کی نعتیہ شاعری ہی میں ملتی ہیں۔ عہد رسالت مآب ﷺ سے آج تک ہماری نعتیہ شاعری برابر پھلتی پھولتی رہی ہے اور اس کا اتنا کثیر سرمایہ جمع ہو چکا ہے جس کی نظیر دیگر قوموں کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اُردو شاعری کے خمیر ہی میں مذہبی موضوعات شامل رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعت کے اعتبار سے بھی اس کا خزانہ مالا مال ہے۔ پہلے پہل نعت عشق اور عقیدت کی خاص منزلوں کی نشاندہی کرتی رہی پھر اس نے ایک خوشگوار رسم کی صورت اختیار کر لی جس کے نتیجے میں یہ شعری حسن و قبح کے امتیاز سے بے نیاز ہوگئی۔ نعت کی کاوش چاہے کسی عنوان سے ہو حضور اکرم ﷺ کی ذات پاک کی نسبت سے احترام کی متقاضی رہی۔ تاریخ کے ہر دور میں نعت گوئی انفرادی کاوشوں کی حد تک جاری رہی۔ اس صنف سخن نے کبھی تحریک کی صورت اختیار نہیں کی۔ البتہ بیسویں صدی کی آخری چند دہائیوں میں کچھ حوصلہ مند صاحبانِ عشق نے نعت گوئی کو ایک باقاعدہ تحریک کی شکل دینے کے لیے مختلف ادارے قائم کیے۔ ان اداروں نے نعت کی اشاعتی مہم پر زور و شور سے کام کیا جس کے نتیجے میں مختلف کتابیں، مجلے، رسائل، اور نعت نمبر وغیرہ سامنے آنے لگے۔ ہر مکتبہ فکر کے شعراء نعت کہنے لگے اور اشاعتی میدان میں نعتیہ مجموعوں کی بہار سی آگئی۔ اخبارات و رسائل نعت کی اشاعت کا خصوصیت سے اہتمام کرنے لگے۔ یوں نعت کے قبولِ عام کی ایک سازگار فضا پیدا ہوئی ایسے ہی اداروں میں ایک نہایت اہم نام "اقلیم نعت" کا بھی ہے جسے نوجوان نعت نگار سید صبیح الدین رحمانی نے ۱۹۹۲ء میں قائم کیا۔ ابتداء میں یہ ادارہ نعت کی اشاعتی سرگرمیوں کیلئے مختص تھا بعد میں اس نے نعت کے "ادبی فروغ" کو اپنا مشن بنالیا اور نعت کے فکری اور فنی پہلوؤں پر گفتگو کو عام کرنے کے لیے ایک کتابی سلسلہ "نعت رنگ" جاری کیا۔ جس کا پہلا شمارہ اپریل ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا جسے "تنقید نمبر" کا نام دیا گیا۔ اس کتابی سلسلہ کے ذریعے اس تحریک نے نعت گوئی کے ادبی فروغ کیلئے کئی انقلابی اقدامات کئے۔ جس کی کوئی مثال ہمیں اس سے پہلے دکھائی نہیں دیتی۔ اس تحریک کا منشور تھا کہ نعت اپنی تمام تر پاکیزگی اور تقدیس کے باوجود ایک صنف سخن بھی ہے اور ہر صنف سخن کی طرح اس کے بھی کچھ

لوازمات اور حدود ہیں ۔ اظہار کی باریکیاں ہیں ، خیال کی نزاکتیں ہیں ، الفاظ کے مطالبے ہیں ، موضوع کیلئے استناد ہے۔ ان سب کو ملحوظ رکھے بغیر نعت نہیں کہی جاسکتی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ نعت کہتے وقت لوگ موضوع کی صداقت پر استناد نہیں کرتے یا واقعہ نگاری کرتے ہوئے شعریت پیدا نہیں کر پاتے جبکہ صداقت اور شعریت کو ہم آہنگ کرنا ہی کسی نعت گو کا کمالِ فن ہے ایک روایت یہ بھی رہی کہ مذہبی اصناف سخن کو اس قدر متبرک سمجھا گیا کہ اس پر کسی قسم کی تنقید وتبصرے کو سوء ادب گردانا گیا۔ اسی وجہ سے نعت گوئی کا سلسلہ تو جاری رہا لیکن اس کا معیار بلند نہیں ہوسکا۔ اس صنف سخن کو جس طرح نشو ونما کی ضرورت تھی وہ نہ ہوسکی۔ اس میں ایک ٹھہراؤ اور جمود کی کیفیت طاری رہی اور موضوعات اور لہجوں کی ایسی یکسانیت پیدا ہوگئی کہ صاحبانِ نقد ونظر نے اس صنف سخن پر ادبی گفتگو کو ضروری خیال نہیں کیا بلکہ موضوع کی تقدیس کی وجہ سے صرف تحسین ہی نوازتے رہے۔

''اقلیم نعت'' نے نعت رنگ کے ذریعے نعتیہ شاعری پر ادبی گفتگو کے دَر وا کئے اور اس کے حسن و قبح پر بے لاگ تبصروں کو فروغ دیا۔ اس کا ہر شمارہ نو بہ نو اور رنگ بہ رنگ تنقیدی احساسات اور جذبات کے اظہار کا ذریعہ بن گیا۔ سابقہ اور حالیہ نعتیہ شاعری کو متعارف کروانے میں بھی ''نعت رنگ'' نے اہم کردار ادا کیا۔ لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ ''نعت رنگ'' نعتیہ شاعری کے اظہار کا وسیلہ ہی نہیں ہے بلکہ اس کی حسن وخوبی کی تفہیم اور تشریح کا ذریعہ بھی ہے کیونکہ کوئی بھی فن ترقی کے مدارج اس وقت تک طے نہیں کرسکتا جب تک اس میں موجود حسن وقبح کی نشاندہی نہ ہو۔ کسی رسالے کے لیے یہ بڑا صبر آزما اور حوصلہ مندی کا مرحلہ ہوتا ہے۔ تعریف وستائش پر تو کوئی روک ٹوک کبھی نہیں رہی لیکن کتنے نعت گو یا اس فن کے حوالے سے اظہار کرنے والے ایسے حوصلہ مند ہیں کہ تنقید کو برداشت کرسکیں ۔ مواخذہ کے ہر پہلو کو مدنظر رکھ کر اعلیٰ درجہ کے مقالات حاصل کرنا یوں بھی بڑا مشکل ہے۔ بے معنی تحریروں سے بھرپور شائع ہونے والے رسائل وجرائد کے ہجوم میں اہل دانش وبینش نے اپنی اپنی ذات کو سمیٹ لیا ہے، یہ حوصلہ ''اقلیم نعت'' اور ''نعت رنگ'' کا ہے جنہوں نے ایسے چشموں سے آبِ شیریں نکالنے کی سبیل کی کہ ادب کے تحقیقی اور تخلیقی دائروں میں گھومنے والے بھی مذہبی شاعری پر غور کرنے اور لکھنے پر تیار ہوئے۔

اس طرح ''نعت رنگ'' مذہبی، علمی اور ادبی زعما کی قلم کاری سے ایک رنگین ، حسین اور دل نشین مرقع بن گیا ہے جس نے علمی وادبی موضوعات پر بے شمار بلند پایہ مقالات شائع کئے ہیں جن میں نعت گوئی ، نعت گوئی کے فن ، اس کے موضوعات اور ممنوعات پر تنقیدی مباحث شائع ہوئے ہیں جس کی کمی ایک طویل عرصے سے محسوس کی جارہی تھی ''نعت رنگ'' کے وسیلے سے اب نعت تازہ ہواؤں میں سانس لے رہی ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین کو علمی دنیا میں سنجیدگی اور دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے اس پر رائے زنی کی جاتی ہے ، اس میں شائع ہونے والے تنقیدی مضامین بھی تنقید سے ماورا نہیں ان کا بھی سختی سے محاسبہ کیا جاتا ہے۔ تنقید اور جواب تنقید سے فکر اور اظہار کی خامیاں دور ہوتی ہیں اور مستقبل کے لیے راہ ہموار ہوتی ہے۔ ان مباحث نے ''نعت رنگ'' کو نعت کے ادبی فروغ کی ایک صالح تحریک کی شکل دے دی ہے اب یہ صنف سخن شوق کے دائروں سے نکل کر جامع فن کے دائروں میں داخل ہورہی ہے۔

نعت رنگ شمارہ نمبر ۱ ☆ سن اشاعت ۱۹۹۵ء ☆ صفحات ۳۳۶

نعت رنگ شمارہ نمبر ۲ ☆ سن اشاعت ۱۹۹۶ء ☆ صفحات ۳۲۰

نعت رنگ شمارہ نمبر ۳ ☆ سن اشاعت ۱۹۹۶ء ☆ صفحات ۳۵۹

نعت رنگ شمارہ نمبر ۴ ☆ سن اشاعت ۱۹۹۷ء ☆ صفحات ۳۵۲

نعت رنگ شمارہ نمبر ۵ ☆ سن اشاعت ۱۹۹۸ء ☆ صفحات ۳۸۴

نعت رنگ شمارہ نمبر ۶ ☆ سن اشاعت ۱۹۹۸ء ☆ صفحات ۴۴۸

نعت رنگ شمارہ نمبر ۷ (حمد نمبر) ☆ سن اشاعت ۱۹۹۹ء ☆ صفحات ۲۸۸

نعت رنگ شمارہ نمبر ۸ ☆ سن اشاعت ۱۹۹۹ء ☆ صفحات ۲۷۲

نعت رنگ شمارہ نمبر ۹ ☆ سن اشاعت ۲۰۰۰ء ☆ صفحات ۲۵۶

نعت رنگ شمارہ نمبر ۱۰ ☆ سن اشاعت ۲۰۰۰ء ☆ صفحات ۲۵۶

نعت رنگ شمارہ نمبر ۱۱ ☆ سن اشاعت ۲۰۰۱ء ☆ صفحات ۴۱۶



از: محمد زبیر قادری

رودادِ پاکستان ۹۹ء قسط ۳

امام احمد رضا چونکہ ہم اہلسنت اور بد مذاہب کے درمیان امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے جو امام احمد رضا کے افکار و نظریات کا منکر ہو وہ صحیح العقیدہ سنی نہیں ہوسکتا کیونکہ امام احمد رضا نے وہی تعلیمات پیش کی تھیں جو ابتدائے اسلام سے چلی آرہی ہیں۔ اعلیٰحضرت کے مشن کے فروغ کے لیے ہم کوشاں رہتے ہیں۔ اور ہماری کیا حیثیت کہ ہم اللہ رب العزت کے دین کے فروغ کے لیے کچھ کرسکیں۔ بس یہ سب تمہارا کرم ہے آقا...... میں ہی تمام سوالوں کے جوابات پوشیدہ ہیں۔

مجھے پاکستان میں مسلکِ اعلیٰحضرت کے نام لیوا بہت نظر آتے ہیں۔ وہاں ہر جگہ امام احمد رضا کے مشن کو عام کرنے والے لوگ مل جاتے ہیں۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک مسلم اکثریت والا ملک ہے اس لیے وہاں کے لوگوں کو دینی کاموں کی بھرپور آزادی ہے۔ وہاں کے مسلمانوں کے سامنے غیر مسلم اکثریت نہیں ہے جیسا کہ یہاں ہیں...... جو وقتاً وقتاً اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عملی و قولی طور پر ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے اُن کے لیے مسائل کچھ کم ہیں۔ وہاں کے مسلمانوں میں اکثریت صحیح العقیدہ سنی مسلمانوں کی ہے جس بناء پر اہلسنت ہر جگہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ لیکن اسلام دشمن طاقتیں چونکہ اسلام کو ختم کرنے یا کم سے کم اسے مسخ کرنے کی مسلسل کوششیں کرتی رہتی ہیں۔ اس لیے یہاں بھی انہوں نے اپنی کوششوں سے مسلمانوں میں سے ایسے فرقوں کو کھڑا کیا جو اسلام کی اصل صورت کو مسخ کرنے کے کاموں میں جٹ گئے اور یہاں بھی فرقہ بندیاں ہوگئیں۔ تبلیغی، دیوبندی، وہابی، الحدیہ، جماعتِ اسلامی، شیعہ، قادیانی...... وغیرہ کون سا فرقہ ہے جو یہاں نہیں ہے۔ اہلسنت کی اکثریت کے باوجود یہاں ہر سطح پر بد مذاہب کا قبضہ ہے۔ خبروں کی ترسیل کے تمام ذرائع پر یہ چھائے ہوئے ہیں، اسکول، کالج و دیگر ذرائع تعلیم کے اداروں پر یہ چھائے ہوئے ہیں، سیاسی، سماجی تمام ہی حلقوں پر ان کا تسلط نظر آتا ہے۔ اس کے باوجود آپ حضرات نے میری رودادِ پاکستان میں بد مذاہب کے کاموں کا ذکر نہیں پڑھا ہوگا۔ میرے کراچی کے ایک دوست مولانا اسلم رضا جو کہ دعوت اسلامی کے مبلغ بھی ہیں' نے مجھ سے شکایت کی کہ آپ کی روداد پڑھ کر یہاں کے سنی حضرات خوش فہمی میں مبتلا ہوسکتے ہیں۔ یعنی ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میں نے پاکستان میں مسلکِ اہلسنت کے کاموں کو خوب اجاگر کیا ہے جس سے وہاں کے قارئین خوش فہمی میں مبتلا ہوسکتے ہیں کہ پاکستان میں ہر جگہ اہلسنت کا غلبہ ہے اور مسلک کی ترویج و اشاعت کا کام بڑے پیمانے پر ہورہا ہے۔

میں نے ان سے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں مسلک اہلسنت کا کام خوب ہورہا ہے بلکہ

میں نے جو لکھا وہ تو صرف ایک سرسری جائزہ ہے اس کی تفصیل تو میں زندگی بھر پاکستان میں رہوں تب بھی لکھ نہیں سکتا۔ البتہ یہاں کا صرف ایک پہلو پیش کرنے ایک وجہ یہ ہے کہ ہمارا میڈیا نہ ہونے کی وجہ سے کسی بھی ملک، شہر یا علاقہ کی دینی سرگرمیوں کی رپورٹ نہیں ملتی تاکہ ہم وہاں اپنے ہم عقیدہ لوگوں کے حالات جان سکیں۔ اس بناء پر میں نے صرف سنیت کا پرچار کرنے کی کوشش کی ہے۔ بدمذاہب کی خبریں تو پھیلتے ہی رہتی ہیں۔ لہٰذا میں کیوں ان کے کالے کرتوتوں کی تشہیر کر کے گناہگار بنوں۔ یہ ضرور ہے کہ ہمیں اپنے دشمنوں پر ہمیشہ نظر رکھنا چاہیے تاکہ ہم اُن کے پیش آمدہ حملوں کا جواب دے سکیں۔

دوسرے یہ کہ میں نے پاکستان میں صرف اہلسنت کے کارناموں کو اس لیے نمایاں کیا کہ ہندوستان اور دنیا کے دیگر ممالک کے سُنّی اسے پڑھ کر اپنی زندگیوں میں کچھ تبدیلیاں لائیں۔ وہاں کے حالات مختلف صحیح مگر ایک زمانہ میں ہم سب ایک تھے اس لیے ہمارا طرزِ معاشرت یکساں ہے۔ لہٰذا ہم اسی طرز پر کام کریں یا کم از کم ان کے ہی کاموں کی نقل کریں تو یہ بھی ایک بڑا کام ہوگا۔ مثلاً مرکزی مجلس رضا، لاہور اور ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی' امام احمد رضا کے نظریات کے بہترین ترجمان ہیں۔ جو مسلسل فروغ فکر رضا میں مشغول ہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس طرح کا کام یہاں پر کیا جاتا تاکہ امام احمد رضا کے افکار کی روشنی میں مسلک اہلسنت کو فروغ دیا جاسکے۔ پاکستان کی بہ نسبت یہاں چونکہ امام احمد رضا کا خانوادہ، خلفاء، فیض یافتہ، متوسلین اور معتقدین کی کثرت ہے اس لیے یہاں پر کام زیادہ ہونا چاہیے اور مرکز بریلی شریف یہاں ہونے کی وجہ سے دنیا بھر کے سنیوں کی نگاہیں ہندوستان کے سنیوں کی طرف اُٹھتی ہیں کہ وہ ہر معاملہ میں ان کی رہنمائی کریں۔ لیکن یہاں معاملہ بالکل اُلٹ ہے۔ اگر آپ کو امام احمد رضا کی شخصیت کے کسی بھی پہلو پر جامعات کی سطح پر تحقیق یعنی ایم۔ فل، پی۔ ایچ۔ ڈی وغیرہ کرنی ہو اور آپ نے جذبات میں آکر اپنا رجسٹریشن بھی کروالیا۔ لیکن جب آپ تحقیقی مواد کی فراہمی کے حصول کے لیے نکلیں گے تو آپ ہزار جتن کرلیں کہیں سے کوئی مدد نہیں ملے گی۔ گنتی کے چند مخلصین کے علاوہ کوئی بھی تعاون نہیں کرے گا۔ بالآخر آپ کو تھک ہار کر پاکستان کے ان اداروں سے رابطہ کرنا پڑے گا جو امام احمد رضا کی فکر کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔ حال ہی کا تازہ واقعہ ہے کہ میرے عزیز دوست مولانا غلام جابر شمس مصباحی صاحب جو کہ عرصہ سے فکر رضا کی جوت جلانے میں دن رات کوشاں ہیں۔ انھوں نے "امام احمد رضا کے مکاتیب" کے عنوان سے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے رجسٹریشن کروایا۔ اس سلسلے میں انھیں امام احمد رضا کے لکھے ہوئے خطوط کی تلاش تھی۔ انھوں نے مکاتیب اعلیٰ حضرت کے حصول کے لیے تمام ممکنہ دروازوں کو کھٹکھٹایا، لائبریریوں کو کھنگالا، لوگوں کی منتیں کیں...... مگر کیا ہوا۔ ہر جگہ انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا یہاں تک کہ اعلیٰ حضرت سے وابستہ خانقاہوں سے بھی کوئی تعاون نہیں ملا۔ مجبوراً انھیں بھی پاکستان کا رُخ کرنا پڑا۔ جو مکاتیب انھیں یہاں سے ملنے چاہیے تھے وہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب اور ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انھیں

فراہم کررہے ہیں۔ بتایئے یہ المیہ نہیں تو کیا ہے؟

میری تحریر کا ایک خاص مقصد یہ تھا کہ کاش یہاں کے لوگوں میں بھی بیداری پیدا ہو جائے اور امام احمد رضا کے نام لیوا صرف زبانی دعوے نہ کریں بلکہ عملی طور پر خود کو امام احمد رضا کا عاشق ثابت کریں۔ ہمارے یہاں کے موجودہ طرز عمل سے کام کرنے والوں کے حوصلے بھی پست ہو جاتے ہیں کہ جب جماعت کے ذمہ داروں کو کچھ فکر نہیں تو ہم جیسے معمولی لوگ کیا کر سکتے ہیں اور وہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔

جمعہ ۲۶ رنومبر ۹۹ء کو اعزا سے ملاقات کا پروگرام طے کیا اور ساتھ ہی لاہور جانے کے لیے ٹکٹ حاصل کیا۔ اس مرتبہ بس سے جانے کو پروگرام بنایا۔ اگلے دن ہفتہ کے ٹکٹ ملے۔

ہفتہ ۲۷ رنومبر ۹۹ء دن بھر جانے کی تیاریوں میں اور کتابوں کے حصول میں گزرا۔ رات دس بجے بس کی روانگی تھی۔ اس مرتبہ اپنے ہمراہ ماموں زاد بھائی کو بھی ہمراہ لیا تاکہ سفر میں ساتھی میسر ہو۔ لیکن بس کے سفر نے ہمیں بیزار کردیا۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنا طویل اور تھکا دینے والا بس کا سفر کبھی نہیں کیا تھا۔ ویسے مجھے بسوں کا سفر بہت اچھا لگتا ہے کیونکہ بسیں آبادیوں سے گزرتی ہیں اور دوران سفر نئی نئی آبادیوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ وہاں کا رہن سہن، معاشرہ، رسوم و رواج کا ایک سرسری جائزہ گویا کہ مختصر سی مدت میں کئی گاؤں، دیہات اور شہر کی سیر ہو جاتی ہے۔ لیکن اس قدر طویل سفر نے مجھے بیزار کردیا۔ ہفتہ کی رات سفر کا آغاز ہوا اتوار پورا دن بس چلتی رہی اور پیر کی صبح تقریباً چھ بجے مینار پاکستان پر ہمارا سفر ختم ہوا۔

ہم وہاں سے فوراً حضور داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے دربار پُر انوار پر پہنچے۔ سب سے پہلے اُس عالی مرتبت بزرگ کے آستانے پر فاتحہ خوانی کی اور اپنی اور سب کی دنیا و آخرت کی کامیابی کے لیے دعائیں مانگیں۔ ہندوستان سے آتے وقت میرے احباب داتا دربار میں دعا کے لیے کہتے ہیں اور پاکستان سے لوٹتے وقت وہاں کے احباب حضرت خواجہ غریب نواز کے دربار میں دعاؤں کے لیے کہتے ہیں۔ میں تو سراپا گنہگار ہوں لیکن امام احمد رضا کے فیضان کا صدقہ ہے کہ احقر کے لیے بڑے بڑے لوگ دعائیں کرتے ہیں میری دعاؤں میں تو کیا اثر ہونا ہے ان بزرگوں کی دعاؤں کے وسیلہ سے ہی میں سب کے لیے کچھ نہ کچھ مانگ لیتا ہوں اور لینے والے جانتے ہیں کہ کس کو کیا ملا۔

وہاں سے فراغت کے بعد ہم نے وہاں ایک ہوٹل میں روم لیا اور سامان رکھ دیا۔ سفر کی تھکن اس قدر تھی کہ آرام کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ لیکن میں نے سوچا کہ ایک دن تو یونہی سفر میں ضائع ہو گیا آرام کرنے جائیں گے تو مزید وقت کی بربادی ہوگی۔ اس لیے اپنے آرام کو قربان کیا اور جس کام سے آیا تھا اس کے لیے نکل پڑا۔ سب سے پہلے پیر زادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کے مکتبہ نبویہ پر ہم پہنچے۔ انھوں نے بہت پر جوش خیر مقدم کیا۔ ان کا انداز مجھے بہت بھاتا ہے۔ پنجابی انداز میں اُن کی اردو بہت لطف دیتی ہے۔ وہ جب بولتے ہیں تو لفظوں میں پنجاب کی چاشنی گھل جاتی ہے اور ان کی

گفتگو سننے کو بار بار دل چاہتا ہے۔ جیسا کہ قارئین ان کے اداریے پڑھ کر محظوظ ہوتے ہیں۔

اس دفعہ کراچی سے ہی میں نے اپنے دوستوں سید صابر حسین شاہ بخاری صاحب اور جناب خلیل احمد رانا صاحب کو فون پر اپنے آنے کی اطلاع کردی تھی۔ جن سے گزشتہ سفر میں عدم ملاقات کا افسوس رہا تھا۔ خلیل احمد رانا صاحب تو مکتبہ نبویہ پر ہی آگئے۔ موصوف ایک جوان محقق ہیں۔ بزرگوں کے تذکرے لکھ لکھ کر انھوں نے اپنی شناخت بنالی ہے۔ موصوف نے تحقیق و جستجو کے ذریعے بعض ایسی شخصیتوں سے ہمیں متعارف کرایا ہے جن کے تذکروں سے آج کی نسلیں بے خبر تھیں۔ امام احمد رضا کی حیات اور کارناموں پر بھی موصوف نے عمدہ تحریریں پیش کی ہیں۔ مختلف موضوعات پر ان کی کئی کتابیں ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور نے شائع کی ہیں۔ الحمد للہ ہماری جماعت میں ایسے ایسے لکھنے والے موجود ہیں کہ ہم ان سے ٹھیک طرح سے استفادہ کریں تو بہت کام ہوسکتا ہے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے ان حضرات سے ملنے کا موقع فراہم کیا۔

ان کے ساتھ تبادلۂ خیالات ہوا پھر میں نے ان کے لیے لائی ہوئی کتابیں انھیں پیش کیں۔

وہاں سے ہم جامعہ نظامیہ رضویہ پہنچے جو کہ لاہور میں اہلسنّت کی قابلِ فخر درسگاہ ہے۔ اور جہاں پر ایک ساتھ کئی بڑی شخصیتیں بیک وقت علوم دین کی ترویج و اشاعت میں سرگرم ہیں۔ سب سے پہلے علامہ عبد الحکیم شرف قادری صاحب نے پر جوش خیر مقدم کیا۔ پھر علامہ عبد القیوم ہزاروی اور مولانا منشاء تابش قصوری سے بھی ملاقاتیں رہیں۔

علامہ شرف صاحب کے ہاں ہی میرے دوسرے دوست سید صابر حسین شاہ صاحب براجمان تھے۔ میری ان سے مراسلت تو عرصہ سے تھی اور ملاقات کی بھی عرصہ سے تمنا تھی جو کہ آج پوری ہورہی تھی۔ شاہ صاحب کو ہماری جماعت میں امام احمد رضا پر ان کی لکھی ہوئی تحریروں کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ انھوں نے امام احمد رضا سے ان کے معاصرین کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے اور ہر دو شخصیات کا احترام ملحوظ رکھا ہے۔ ساتھ ہی قارئین کے دلوں میں بھی ان کے معاصرین کی محبت پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ وہ تاثراتی تحریریں ہیں جو انھوں نے امام احمد رضا کی شخصیت پر مختلف عنوانات سے جمع کی ہیں۔ امام احمد رضا مخالفین کی نظر میں، امام احمد رضا علمائے دیوبند کی نظر میں، امام احمد رضا پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی نظر میں، امام احمد رضا اور احترام سادات ...... وغیرہ۔ حال ہی میں انھوں نے برسوں سے چلے آرہے اختلاف کہ "قائد اعظم محمد علی جناح شیعہ تھے" کو دلائل سے بھرپور اپنی تحقیقی کتاب "قائد اعظم کا مسلک" میں غلط ثابت کیا ہے۔

موصوف ایک اسکول ٹیچر ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ انھوں نے یہ تحقیقی کتابیں لکھنے کا کام وسائل سے خالی پنجاب کے ایک چھوٹے سے دور افتادہ گاؤں "برہان شریف" میں کیا ہے۔ جہاں پہنچ کر بندہ دنیا سے اس طرح کٹ جاتا ہے جیسے یہ گاؤں کسی دوسری دنیا میں واقع ہو۔ ☆ (باقی آئندہ انشاء اللہ)

تبصرۂ کتب:

دارالعلوم دیوبند کا بانی کون؟

مصنف : ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

صفحات : ۱۳۶

قیمت : ۳۰؍روپے

ناشر : الدار السنیہ، ۱۶۷، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی - 8

مبصر : محمد ملک الظفر سہسرامی، سہسرام- بہار

غیاث الدین تغلق کے دور حکومت میں شاہ ہارون چشتی علیہ الرحمہ نامی ایک بزرگ نے مغربی اتر پردیش کے ایک علاقے میں سکونت اختیار فرمائی وہ علاقہ اُن کی شخصیت سے منسوب ہوکر شاہ ہارون پور کے نام سے معروف ہوگیا۔ امتداد زمانہ نے اس کو سہارنپور سے بدل دیا۔ دیوبند اسی ضلع کا ایک مشہور قصبہ ہے اس کی شہرت کے پیچھے دارالعلوم کا مکمل عمل دخل ہے۔ دارالعلوم دیوبند دنیا کے ایک مخصوص طبقے میں معروف دینی' مذہبی ادارے کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھتا ہے۔ دارالعلوم کی بنیاد ۱۵؍محرم الحرام ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۷ء کو ایک چھوٹے دینی مدرسے کی حیثیت سے ڈالی گئی۔ بانی دارالعلوم دیوبند کے تعلق سے دسمبر ۱۹۹۷ء میں ایک بحث کا آغاز ہوا اور مراسلات کے ذریعے علمائے دیوبند کے درمیان ایک عرصے تک نوک جھونک جاری رہی۔ اسی درمیان ایک فاضل محقق نے زندہ و تابندہ حقائق کی روشنی میں ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر ''قومی آواز'' دہلی کو برائے اشاعت روانہ کردیا تاکہ حقائق کی روشنی میں کسی مثبت نتیجے پر پہنچ کر عرصے سے جاری نوک جھونک کا خاتمہ کیا جاسکے۔ لیکن نتیجہ برعکس نکلا۔ نوک جھونک ختم کیا ہوتی کہ اُس نے ایک دوسری شکل اختیار کرلی اور فریقین اس فاضل محقق کے پیچھے لٹھ لیکر دوڑ پڑے اور پھر کیا تھا مراسلات کا ختم نہ ہونے والا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا۔ آخر میں مدیر ''قومی آواز'' کو ایک نوٹ کے ذریعے اس بحث کا سدباب کرنا پڑا۔

زیر تبصرہ کتاب ''دارالعلوم دیوبند کا بانی کون'' اپنی غیر جانبدارانہ تحقیقات کی ایک اجتماعی شکل ہے۔ فاضل محقق ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم علم و تحقیق کی دنیا کے ایک معروف و معتبر راہی نہیں بلکہ راہنما بھی ہیں۔ ملک کی معیاری درسگاہ جامعہ ہمدرد کے شعبۂ دینیات کی مسندِ صدارت سے وابستگی آپ کی علمی لیاقت کی منہ بولتی شہادت ہے۔ محقق موصوف نے بنیادی مباحث کا آغاز کرتے ہوئے 'دیوبند' کی تاریخی و جغرافیائی حیثیت کی وضاحت کی ہے۔ اس کے بعد دارالعلوم کے قیام اور اس کے بانی کے تعلق سے تاریخی شہادت کی روشنی میں حقائق سے پردہ اٹھانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ دارالعلوم کے اصل بانی کی حیثیت سے جو نام آتا ہے وہ الحاج سید عابد حسین مرحوم (متوفی ۱۳۳۱ھ) کا ہے۔ جن کی شخصیت کو کچھ مصلحتوں کی بناء پر پردۂ گمنامی میں ڈال دیا گیا اور بانی کی حیثیت سے مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نام کی تشہیر کی جانے لگی۔ دارالعلوم کے بانی کے تعلق سے مختلف خیالات ہیں اس پر روشنی ڈالتے ہوئے محقق لکھتے ہیں۔ ''دارالعلوم دیوبند کا بانی

کون ہے اس سلسلے میں علماء و دانشوروں کے مختلف خیالات ونظریات ہیں۔ اس تعلق سے ابھی ایک زور دار بحث اس وقت شروع ہوئی جب ۱۹ نومبر ۱۹۹۷ء کو مسجد اقصیٰ کے سابق امام دارالعلوم دیوبند کی زیارت اور اس ادارے کی خدمات کا اعتراف کرنے دیوبند حاضر ہوئے پہلے تو حسب معمول انہیں استقبالیہ دیا گیا پھر ان حضرات کی خدمت میں سپاس نامہ عربی زبان میں پیش کیا گیا۔ اس سپاس نامے میں دارالعلوم دیوبند اور وہاں کے فضلاء کا ذکر تو تھا ہی ساتھ ہی اس ادارے کے بانی حاجی سید محمد عابد حسین قادری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہی نہیں تھا بلکہ بحیثیت بانی اُن کی مخلصانہ کاوشوں کو کافی سراہا گیا تھا۔ (دارالعلوم دیوبند کا بانی کون صفحہ ۱۵)

اس بات کو مزید باوزن بناتے ہوئے دارالعلوم کے ایک قدیم فارغ التحصیل محمد یونس کے ایک مراسلے کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ "مجھے یاد ہے میں اس وقت دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرتا تھا۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد اور شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی حیات تھے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کو بانی دارالعلوم کون؟ تحقیق سپرد کی گئی مولانا احسن گیلانی نے اپنے قلم سے حضرت حاجی عابد کو بانی دارالعلوم تحریر کیا۔ قاری طیب صاحب نے اعتراض کیا مولانا مناظر احسن گیلانی نے فرمایا میری تحقیق یہی ہے کہ حضرت حاجی عابد بانی دارالعلوم ہیں اور میں اپنے قلم سے اس کو قلم زد نہیں کروں گا آپ کی مرضی آپ اپنے قلم سے اس کو قلم زد کر دیجئے۔ قاری صاحب نے برہمی کا اظہار فرمایا اور اپنے قلم سے اس کو قلم زد کر دیا (جس کی لاٹھی اس کی بھینس) یہ مثال مولانا طیب صاحب نے صحیح کر کے دکھائی۔ (ایضاً ص ۲۰ بحوالہ قومی آواز دہلی ۱۶ دسمبر ۱۹۹۷ء)

حاجی سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادے کے چشم و چراغ سید افتخار حسین نے بھی اس سلسلے میں کچھ انکشافات پیش کیے ہیں جن میں اہم انکشاف یہ ہے کہ جس زمانے میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا اُس زمانے میں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی میرٹھ کے مطبع مجتبائی میں تصحیح کا کام انجام دیتے تھے۔ (ایضاً صفحہ ۲۲ بحوالہ سوانح عمری مولانا محمد قاسم مطبوعہ ۱۹۹۷ء)

۱۳۰۶ھ میں شاہ رفیع الدین صاحب کے دیوبند سے ہجرت کر جانے کے بعد مدرسے سے ایک اشتہار شائع ہوا تھا جس کی عبارت یہ تھی "جملہ خیر خواہانِ مدرسہ کو بسبب روانگی مولوی صاحب موصوف کے نہایت تشویش پیش آئی، ناچار بجز اس تدبیر کے کوئی چارہ نہ بن پڑا کہ سب مجتمع ہو کر بخدمت بابرکت حضرت حاجی محمد عابد صاحب جو بانی مدرسہ و مجوز اوّل ہذا حامی و سرپرست و سرآمد ارباب شوریٰ ہیں حاضر ہو کر ملتجی ہوئے کہ اب جناب اس کار اہتمام کو انجام دیں کہ آخر یہ مدرسہ آپ کا ہی ہے۔ (ایضاً ص ۲۳ بحوالہ قومی آواز دہلی ۲۲ ستمبر ۱۹۹۷ء)۔

سید افتخار حسین نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ ابتدائی تیس سالوں کی روداوں میں بارہا حاجی محمد عابد صاحب کو اصل اصول مدرسہ (بانی مبانی) لکھا گیا ہے۔ اس کتاب کی تیسری بحث دارالعلوم دیوبند کا اصل بانی کون؟ کے عنوان سے ہے۔ جس میں فاضل محقق نے ناقابلِ تردید حقائق کی روشنی میں الحاج سید عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کو بانی دارالعلوم دیوبند ثابت کیا ہے۔ اس سلسلے میں "تاریخ دارالعلوم دیوبند"، "سوانح قاسمی"، "تذکرۃ العابدین"، "اسلامی علوم میں حاجی امداداللہ کی خدمات و اثرات"، "موج کوثر"، ماہنامہ

البلاغ' (کراچی) کے حوالے سے اپنی گفتگو کو معتبر اور باوزن کر کے پیش کیا ہے۔ الحاج سید عابد حسین کی بجائے مولانا قاسم نانوتوی کو بانی دارالعلوم دیوبند ثابت کرنے میں جو بعض حضرات نے خاصا زور صرف کیا ہے یہ ایک راز ہے۔ موصوف نے دارالعلوم دیوبند کے استاذ تفسیر مولانا سید انظر شاہ کشمیری کے حوالے سے اس راز سے پردہ اُٹھانے کی کوشش کی ہے۔ ''الحاج صوفی روشن ضمیر مولانا عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہہ دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی بانی ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ آفاقی اور عالمی درسگاہ کے تخیل سے مرحوم کا دل و دماغ بالکل خالی تھا۔ ایک عظیم درسگاہ جو آفاقی تصورات کی حامل ہو کلیۃً حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مرہون منت ہے، نیز ابتدا کی آویزشیں جو حضرت مولانا قاسم صاحب اور حاجی عابد حسین مرحوم میں رہیں جن کی محتاط تعبیر شکر رنجی یا مشاجرت ہی سے ہو سکتی ہے میرے نزدیک اس کی واقعیت صرف اتنی نہیں کہ عمارت مختصر یا وسیع کرنے پر دونوں بزرگوں کا اختلاف تھا جیسا کہ میں اپنے بزرگوں سے برابر سنتا رہا مجھے عرض کرنے دیجئے کہ یہ آویزش خالص نظریاتی جنگ تھی۔ میں تفصیلات میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا اس لیے کہ وہ ایک دل خراش تاریخ کا باب ہے، لیکن اپنے علم و مطالعہ کی بنیاد پر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جو دیوبند حضرت حاجی عابد حسین المغفور کی زیر تربیت بن رہا تھا وہ یقیناً اس دیوبند سے مختلف ہوتا جس کا تعارف اور شہرت عالم اسلام سے گزر کر اقصائے عالم میں پہنچ چکی ہے۔' (ایضاً ص ۶۷، بحوالہ البلاغ کراچی ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ ص ۴۹)

حاجی صاحب کی زیر تربیت بن رہے دیوبند کے نقشے کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا کشمیری حاشیے میں رقمطراز ہیں۔ ''سمجھنے کے لیے صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ چھتہ کی مسجد جہاں سے دارالعلوم کی ابتدا ہوتی ہے، حضرت حاجی صاحب مرحوم کی نشست گاہ یہی مقدس عمارت ہے۔ اس مسجد میں رمضان المبارک کے چاروں جمعوں میں اب تک میلاد حضرت حاجی صاحب کی یادگار میں جاری ہے۔ میں نے کیا لکھا بس اس اجمال میں نکتہ سنج اس ساری تفصیلات کو پڑھ لیں جسے میں نے کم از کم تاریخ نگاری کے تلخ فریضہ کے قطعاً خلاف سنانے سے پہلو بچالیا ہے۔'' (ایضاً)

حقائق کے پس منظر میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ بانی دارالعلوم دیوبند الحاج سید عابد حسین رحمتہ اللہ علیہ ایک خوش عقیدہ مسلمان تھے۔ بلکہ سلسلۂ قادریہ کے عظیم بزرگ تھے اور انھیں راہ طریقت میں مولانا ولایت علی سہارنپوری اور حضرت میاں جی کریم بخش رامپوری سے شرف بیعت حاصل تھا۔

ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم نے اس کتاب کو پانچ بحثوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی بحث 'دیوبند اور دارالعلوم دیوبند' کے عنوان سے ہے۔ جس میں دارالعلوم کے فضلاء کے وہ مراسلات شامل کیے گئے ہیں جن میں الحاج سید عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کو بانی دارالعلوم دیوبند ثابت کیا گیا ہے۔ دوسری بحث بانی دارالعلوم دیوبند کے حالات زندگی پر ایک طائرانہ نظر کے عنوان سے ہے۔ جس میں فاضل محقق نے مستند حوالوں سے موصوف حاجی صاحب کو ایک خوش عقیدہ مسلمان ثابت کیا ہے۔ تیسری بحث 'دارالعلوم کا اصل بانی' کے عنوان سے ہے جس کے تعلق سے فاضل محقق نے یہ تحریر کیا ہے ''اس کے اخبار میں چھپتے ہی حلقۂ دیوبندیت میں کھلبلی مچ گئی اور اس حلقے کے ایں قدر اور آں قدر سب اظہار برہمی کرتے ہوئے ہاتھ دھو کر راقم الحروف کے

پیچھے پڑ گئے۔" (صفحہ ۵) اس بحث میں آخر کیا باتیں تھیں کہ جن کے منظر عام پر آتے ہی ایک مخصوص خیمے میں کہرام مچ گیا۔ چونکہ اس مقالے میں حقیقت کو بالکل بے نقاب کرنے کی سعی و جہد کی گئی تھی۔ اس تحقیق کی روشنی میں چند باتیں سامنے آئیں اوّل یہ کہ دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو ایک خوش عقیدہ مسلمان تھے۔ عشق رسالتمآب ﷺ ان کے رگ و پے میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اولیاء اللہ اور مقربین بارگاہ الٰہی سے انہیں والہانہ لگاؤ تھا، بزرگان دین کے مزارات پر حاضری، نذر و نیاز ان کی زندگی کا عام معمول تھا، وہ میلاد و فاتحہ کو صرف جائز ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ہر ہفتے پابندی کے ساتھ زر کثیر خرچ کرکے اس کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ مسلکِ دیوبند میں نذر و نیاز، میلاد و فاتحہ بدعت و ناجائز ہیں اور حاجی صاحب کا اُن پر عمل تھا اس لیے ان کا نام صیغۂ راز میں ڈال دیا گیا۔ چوتھی بحث 'بانی دارالعلوم دیوبند اور معترفین و معترضین' کے عنوان سے ہے۔ آخری بحث 'مسلک دیوبند کیا ہے' کتاب کا یہ آخری حصہ دراصل دیوبند کے اُستاذ تفسیر مولانا سید انظر شاہ کشمیری (جو دیوبندی مکتبہ فکر کے مشہور عالم مولانا انور شاہ کشمیری کے فرزند دلبند ہیں) کا وہ مضمون جو انھوں نے مسلکِ دیوبند کیا ہے؟ وضاحت میں قلم بند کیا ہے۔ جس کی روشنی میں دیوبند کا مسلک معلوم کیا جاسکے گا نیز مسلک دیوبند کے تعلق سے جو عوام میں غلط فہمی رائج ہے اس کا ازالہ ہو سکے گا۔ موصوف کا مضمون کا یہ مضمون بہتوں کو چونکائے گا۔

اس کتاب کی ساری بحثیں تحقیقی کسوٹی پر کھری اور قطعی غیر جانبدار ہیں۔ مصنف کا لب ولہجہ کہیں بھی سنجیدگی کی حدود سے باہر نہیں گیا ہے۔ اس کتاب کا اسلوب نہ تو مناظرانہ ہے نہ ہی مجادلانہ و مکابرانہ بلکہ خالص علمی و تحقیقی ہے۔ جس کا مقصد بقول مصنف صرف اتنا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی کے تعلق سے جو غلط فہمی عوام و خواص میں پائی جاتی ہے وہ دور ہو جائے۔ اس کتاب کی اشاعت کے لیے تحریک فکر رضا کے ذمہ داران لائق صد مبارکباد ہیں۔ علمی و تحقیقی دنیا میں اس کتاب کا خیر مقدم کیا جانا چاہیے۔

تذکرہ خلفائے راشدین

تصنیف: مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی حبیبی

مبصر: علامہ عبدالمبین نعمانی قادری مصباحی

تقدیم: شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ

صفحات: ۵۳۶۔ (سائز متوسط)

قیمت مجلد: ۱۰۰ روپے

ناشران: فاروقیہ بکڈپو مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۶ ☆ المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور اعظم گڑھ۔ ۲۷۶۴۰۴

حضور پیغمبر آخر الزماں صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے روئے زمین پر جو پاکیزہ انقلاب رونما ہوا، وحشی قومیں ہدایت و شرافت کا جیسا کچھ نمونہ بنیں، ہزاروں جھوٹے خداؤں کے سامنے سر جھکانے والے ایک خدائے بزرگ و برتر اور معبود حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہو کر تاریخ عالم میں جو نمایاں جگہ

بنا گئے، وہ ایسے انمٹ نقوش ہیں جنہیں دھندلا نہیں کیا جا سکتا، نہ انہیں جھٹلایا جا سکتا ہے۔ ۲۳ سالہ قلیل دور تبلیغ رسالت میں حضور مدنی تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بگڑی ہوئی قوم کی وہ رہنمائی کی اور اُن کے دلوں کی ایسی کایا پلٹی کہ اس کی مثال اقوام عالم میں کبھی کہیں نہیں پیش کی جا سکی، نہ آئندہ پیش کی جا سکتی ہے۔ ظاہر بات ہے اتنے قلیل عرصے میں اتنا بڑا انقلاب معمولی بات نہیں۔ یقیناً یہ خود پیغمبرانہ عظمت اور خدائی قدرت کی کارسازی و جلوہ فرمائی ہے۔ ایک صادق القول اور امین رسول نے مدنی انقلاب برپا کر کے یہ ثابت کر دیا کہ کردار و عمل اور حسن کے ساتھ اگر تائید خداوندی یاوری کر جائے تو کامیابی قدم چوما ہی کرتی ہے۔ اعلان نبوت کے بعد تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے زرّیں عہد کو پورا کر کے جب سرکار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس دار فانی سے کوچ فرماتے ہیں اور استراحت کی ابدی نیند سو جاتے بلکہ حیات جاودانی سے سرفراز ہو کر محبوب حقیقی سے جا ملتے ہیں تو کاروانِ ہدایت کے مناصب جلیلہ کو جن عظیم ہستیوں نے اپنے اپنے کاندھوں پر لیا اور منہاج نبوت کی لاج رکھی، ان کو ہی تاریخ "خلفائے راشدین" کے مبارک ناموں سے یاد کرتی ہے، جن میں کسی کو صدیق اکبر کہا جاتا ہے تو کسی کو فاروقِ اعظم کے مقدس لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور کسی کو عثمان ذی وقار و حیادار کہا جاتا ہے اور کسی کو مولائے کائنات علی خیبر شکن کے نام سے دنیا جانتی اور پہچانتی ہے۔ تاریخ اسلام کے مقدس اوراق نے جن کے پاکیزہ ناموں کو بڑے زرّیں حروف سے اپنے سینوں میں نقش کر رکھا ہے، یہ نبی و رسول تو نہ تھے مگر نبوت و رسالت کی ایسی سچی خلافت و نیابت کی کہ ان میں ہر ایک کو خلیفہ راشد کہا اور تسلیم کیا گیا، اسی لیے ان کی خلافت کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ سے یاد کیا جاتا ہے۔ عظمت کے انھیں پاسبانوں اور اسلام کے انھیں برحق ترجمانوں کے ذکر خیر میں لکھی گئی ایک کتاب کا نام ہے۔ "تذکرۂ خلفائے راشدین" جس کا ورق ورق روشن اور سطر سطر دلنشیں ہے۔ اولاً ایسے پاکیزہ نفوس کا ذکر، جسے جمیل ہونا ہی چاہئے دوسرے عشق و محبت اور ادب کے پیرائے میں چلنے والے ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی کے قلم کی چاشنی و دلنشینی نے سونے پر سہاگا کا کام کر کے کتاب کو دو آتشہ بنا دیا ہے۔ ایسی کتابیں بھلا عشاق مصطفیٰ و محبانِ اصحاب باصفا کیلئے کیوں نہ پیغام مسرت و باعث فرحت ہوں۔

آج ناولوں کا دور ہے، افسانے پڑھے جا رہے ہیں، رومانیت پر سر دھنے جاتے ہیں، چھوٹے نگوں کی ریزہ کاری سے آنکھیں خیرہ کی جاتی ہیں، بے سرو پا قصوں پر دل لٹائے جاتے ہیں، رنگ تغزل پر متاع حیات قربان کی جاتی ہے۔ اسے بسا غنیمت کہ ایسے میں سچوں کی سچی باتیں، وفا کیشوں کی وفاداریاں، اور پاکباز ہستیوں کے پاکیزہ واقعات بھی قرطاس پر بکھیرنے کا کارنامہ انجام دیا جا رہا ہے۔ تاکہ ان کی زندگی کو دیکھ کر اپنی زندگی سنواری جائے، ان کے اسوۂ حسنہ سے سبق لیا جائے، اُن کی جگمگ جگمگ تعلیمات سے دلوں کو روشن کیا جائے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے لیے ان کی جانبازیوں اور فداکاریوں اور قربانیوں کو پڑھ پڑھ کر ایمانی حرارت تیز کی جائے، حوصلوں کو بڑھاوا دیا جائے، انھیں مقدس ہستیوں میں صحابۂ کرام اور پھر ان میں خلفائے راشدین سرفہرست ہیں، جنھوں نے فیض رسالت سے براہ راست حصہ پایا اور خلوص کے ایسے پیکر بن گئے کہ ان کے لیے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى کا مژدہ جانفزا نازل ہو گیا۔

زیر تبصرہ کتاب، "تذکرۂ خلفائے راشدین" انہیں مطہر نفوس کا مرقع حیات ہے، جسے اہلسنت کے

منجھے منجھائے قلم کار مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی گھوسوی سابق پرنسپل مدرسہ شمس العلوم گھوسی (مئو) نے اپنے سحر طراز قلم سے سجایا بنایا ہے۔ جسے موصوف نے راقم الحروف کے ایما پر تصنیف فرمایا اور حق تو یہ ہے کہ حق ادا کر دیا کیونکہ اردو زبان میں اس موضوع پر اتنے صفحات پر مشتمل نیز اتنے اچھے انداز کی یہ پہلی کتاب ہے۔ جس میں خلفائے رسول کی حیات و کارنامے بھی ہیں، فضائل و مناقب بھی، فتوحات کا بھی ذکر ہے اور اقوال و حکایات بھی۔ پوری کتاب تاریخی شواہد اور حوالوں سے جکڑی ہوئی ہے، اور خاص بات تو یہ ہے کہ اس مرقع تذکار خلفائے رسول (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) کو ملاحظہ فرما کر شارح بخاری فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے اپنے تقدیمی کلمات سے بھی نوازا ہے۔ حضرت شارح بخاری ارقام فرماتے ہیں:

"یہ کتاب جناب مولانا محمد عاصم اعظمی زید مجدہم نے بڑی محنت اور کاوش سے لکھی ہے اس کتاب کے بہت سے اہم مقامات مجھے پڑھ کر سنائے گئے' جس سے مجھے اندازا ہوا کہ اس کتاب کی تصنیف میں عزیز ممدوح نے کافی محنت کی ہے، واقعات کے جزئیات بہت تفصیل کے ساتھ جمع کئے ہیں طرز بیان بہت دل آویز اور عام فہم ہے۔"

پھر عہد خلفائے راشدین کے فیضان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شارح بخاری فرماتے ہیں:

" خلفائے راشدین کا عہد اسلام کا زریں عہد ہے جس نے اسلام کو عرب کے باہر عجم اور روم، افریقہ، خراسان بلکہ بعض روایات کے مطابق ہندوستان کے مغربی صوبے بلوچستان تک پھیلایا، اور مغرب میں افریقہ کے اکثر ممالک تک پہنچایا۔ اس عہد مبارک میں اسلام کا اتنے وسیع علاقوں میں پہنچنا بہت حیرت انگیز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خلفائے راشد کی روحانیت کا کرشمہ اور ان کی کرامت ہے۔" (تقدیم تذکرہ خلفائے راشدین ص ۲۱)

تقدیم میں چاروں خلفاء کے عہدوں پر مختصر مگر جامع تبصرہ کرتے ہوئے حضرت شارح بخاری نے جو سطور سپرد قلم کی ہیں وہ اس قدر جچی تلی معتدل اور انصاف پر مبنی ہیں کہ جانبداری کا ذرا سا بھی شبہ نہیں ہوتا۔ خصوصاً امیر المومنین حضرت عثمان ذی النورین اور مولائے کائنات علی مرتضی شیر خدا (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے عہدوں پر جو کچھ لکھا ہے وہ ہر ایک کی پوزیشن کو صاف کرنے اور حقیقت حال پر سے پردہ اٹھانے میں اپنی مثال آپ ہے۔ اکثر مورخین بلکہ محققین تک شہادت عثمان غنی اور خلافتِ مولیٰ علی و جنگ جمل وصفین کے تذکرے میں اپنے کو غیر جانبدار نہ رکھ سکے اور اختلافِ اقوال کی خار دار وادیوں میں الجھ کر رہ گئے۔ لیکن حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ اس نازک مرحلے میں نہایت درجہ کامیابی سے گزرتے اور ایسی منصفانہ ومحققانہ فکر پیش کرتے نظر آتے ہیں، جس سے رفض وخروج دونوں کی رگیں کٹ جاتی ہیں۔

خلفائے راشدین سے بالعموم صرف چاروں خلفاء ہی سمجھے جاتے ہیں جبکہ نواسۂ رسول خلیفۃ المومنین حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی چند ماہ خلافت کو زینت بخشی پھر ازراہِ مصلحت مسلمین، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ لہٰذا اس تذکرے میں ان کا ذکر خیر بھی شامل کر دیا گیا ہے، تاکہ خلفائے راشدین کی خدمت مکمل ہو جائے۔ اس طرح یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب بن گئی ہے۔ کتابت عمدہ ہے اور طباعت صاف ستھری، مجلد اور خوبصورت گیٹ اپ کیساتھ منظر عام پر آئی ہے۔

مجالسِ رضا

دارالمطالعہ اہل سنت سہسرام، بہار

۲۵ر صفر المظفر ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰ مئی ۲۰۰۱ء بروز اتوار بعد نماز ظہر دارالمطالعہ اہل سنت محلہ سہسرام میں یوم رضا اور یوم مجدد الف ثانی کا انعقاد ہوا۔ مجدد اعظم امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ (متوفی ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ) اور مجدد الف ثانی امام اہل سنت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ متوفی (۲۶ر صفر ۱۰۳۴ھ) عالم اسلام کی دو عظیم الشان شخصیتیں ہیں جن کے دینی علمی اور روحانی کارنامے لازوال ہیں۔ یہ محفل عالم اسلام کی انہیں دو عظیم شخصیتوں سے منسوب تھی۔

محفل کا آغاز سوا دو بجے دن میں مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی کی تلاوت سے ہوا۔ اس کے بعد حافظ غلام جیلانی صاحب استاد دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام نے امام احمد رضا قدس سرہ کی مشہور زمانہ نعت 'اٹھا دو پردہ دکھا دو چہرہ کہ نور باری حجاب میں ہے'، ایسے والہانہ طرز سے پڑھی کہ سماں بندھ گیا۔ ۲ بجکر ۳۸ منٹ پر قل شریف ہوا۔ جس میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی ارواح طیبہ کو ثواب نذر کیا گیا۔ اس کے بعد حافظ غلام جیلانی صاحب نے بارگاہ رضا میں نذرانہ منقبت پیش کیا اور جناب عبدالسلام ضیا سہرامی اُستاد رضا اکیڈمی سہسرام نے نعتِ رسول مقبول ﷺ پیش کی۔

اخیر میں مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی صاحب نے دونوں بزرگوں کے کارناموں پہ روشنی ڈالی۔ اپنے خطاب میں آپ نے فرمایا:

''حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو دین الٰہی کی فتنہ سامانیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بے شمار مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپ نے پورے استقلال کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا بالآخر نصرت الٰہی آپ کی مدد کو اتر پڑی اور میدان آپ کے ہاتھ رہا۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ کی تعلیمات کا سرچشمہ آپ کے گراں قدر مکاتب ہیں جو ملت کا لازوال سرمایہ ہیں۔ حضرت مجدد نے اپنے مکاتب میں جو افکار پیش کئے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے :۔ '' صحبت بد مذہب بدتر از صحبت کافراست'' بدمذہبوں سے میل جول کافروں کی صحبت سے زیادہ نقصان دہ ہے۔''

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے ارشاد رضوی صاحب نے کہا:۔

''مجدد اعظم امام احمد اہل سنت اعلیٰ حضرت نے وہابیت اور اس کی جملہ شاخوں کی فتنہ پردازیوں کا بہ توفیق الٰہی جس پامردی سے مقابلہ کیا اور اسے شکست فاش دی وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ بد مذہبوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو زک پہونچانے اور ان کے مجددانہ اثرات کو روکنے کی خاطر ہر اوچھے ہتھکنڈے اپنائے لیکن۔

سب اُن سے جلنے والوں کے گل ہو گئے چراغ ☆ احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی

مولائے کریم نے آپ کے عشق رسول کی برکت سے آپ کو سب پر بالا کر دیا اور آج یہ عالم ہے کہ۔

گونج گونج اُٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستان

مولانا رضوی صاحب نے مزید فرمایا:

''سرزمین سہسرام کا امام احمد رضا کی بارگاہ سے دیرینہ رشتہ ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں بیسیوں اسفتے اہل

سہسرام کے ملتے ہیں بلکہ یہ سرزمین اتنی خوش نصیب ہے کہ اس کا بارگاہ رضا سے تلمذانہ رشتہ بھی ہے۔ ڈاکٹر سید معراج الاسلام صاحب کے جد امجد حضرت مولانا سید غیاث الدین حسن صفی چشتی نظامی رضوی سہسرامی علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا حکیم کلیم الدین خاں دانش سہسرامی علیہ الرحمہ امام احمد رضا کے عزیز ترین شاگرد اور خلیفہ تھے۔ اس لیے سرزمین سہسرام بجا طور پر یوم رضا منانے کی اولین مستحقین میں ہے۔

اس خطاب کے بعد صلوۃ وسلام اور دعا پر اختتام ہوا۔ اس نشست کی صدارت جناب اخلاق احمد رضوی صاحب ڈائریکٹر رضا اکیڈمی سہسرام نے فرمائی اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر سید معراج الاسلام صاحب تشریف فرما تھے۔

یادِ رضا میں ایک حسین شام

مرکز الثقافۃ السنیہ، کالی کٹ، کیرالہ، یاد رضا میں ۲۵، صفر المظفر ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۱ مئی ۲۰۰۱ء کو ایک علمی و ادبی باوقار تقریب منعقد کی گئی۔ جس میں مفکر دین وملت حضرت علامہ غلام جابر شمس مصباحی پورنوی صدر مدرس شعبۂ حنفی، حضرت علامہ ومولانا شاہد رضا مصباحی بستوی، حضرت مولانا منظور احمد ضیائی اور حضرت مولانا شفیع احمد مصباحی خصوصیت کے ساتھ شریک تقریب ہوئے۔

مرکز کے وسیع وعریض ہال میں بعد نماز عشاء جشن رضا کا آغاز فخر القراء نوجوان فاضل مولانا قاری محبوب اختر مصباحی ماہر ویشالوی کی تلاوت قرآن پاک سے نہایت خوشگوار ماحول میں ہوا۔ تاثیر تلاوت قرآن نے اہل تقریب پر وجد طاری کردیا۔ پھر ادبی وشعری نشست یعنی نعتیہ و منقبتی مشاعرہ شروع ہوا۔ جس میں مرکز کے ہونہار طلبہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنا اپنا کمال فن اُجاگر کیا۔ ثنا خوانِ رسول ﷺ اظہار احمد اعظمی نے نعت گنگنائی۔ اور حضرت مولانا شفیع مصباحی نے اپنی مترنم آواز میں "قصیدہ بردہ" اس انداز سے پڑھا کہ پورے مجمع کا دل اپنے قبضے میں لے لیا بلکہ سارے دلوں کو محبت رسول ﷺ کے حوالے کردیا۔ شرکائے مشاعرہ کے اسماء ان کے شعری نمونے کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) جناب ماہر المصباحی ویشالوی

خدا کے آگے جو سر جھکے گا اسی کا اعتبار ہوگا — نبی کی الفت ہو جس کے دل میں وہ قابل احترام ہوگا
زباں پہ ہر دم رضا کا چرچا تو لب پہ انہیں کا نام ہوگا — نگاہ لطف و کرم اُٹھے گی تو جھک کے میرا سلام ہوگا
لکھو گے جب نعت و منقبت تم مدینے والے کا نام لیکر — سجے گی محفل جہاں کہیں بھی تمہارا ماہر کلام ہوگا

(۲) جناب فیروز عالم راہی جھارکھنڈ

پُر نور پُر سرور یہ جلسہ رضا کا ہے — جس سمت آج دیکھئے چرچا رضا کا ہے
واللہ کتنا مرتبہ اعلیٰ رضا کا ہے — گھر گھر میں دیکھو پھیلا اُجالا رضا کا ہے
ہم سُنیوں کا آج جو پرچم بلند ہے — راہی یقین مانیے یہ صدقہ رضا کا ہے

(۳) جناب قربان علی گنگوہی

قاطع کفر و ضلالت ہیں امام احمد رضا — رہبر راہ ہدایت ہیں امام احمد رضا
جس نے اپنے دل میں پیدا کی نبی سے دشمنی — اس کی خاطر تیغ شدت ہیں امام احمد رضا
کہہ دے اے قربان بڑھکر نجدیوں سے برملا — سنیوں کے اعلیٰ حضرت ہیں امام احمد رضا

(۴) جناب ضمیر الدین رضوی بھاگلپوری

بار الہ مجھ کو نہ زر دے نہ مال دے — قیدی بنا کے مجھ کو مدینے میں ڈال دے
احمد رضا کے نوک قلم میں ہے وہ اثر — جب چاہے نجدیت کا جنازہ نکال دے

(۵) جناب زین العابدین رضوی کرناٹک

غم کے مارو چلو بے سہارو چلو بے کسوں کے سہارا بریلی میں ہے
ایک عالم منور ہے جس چاند سے ہاں وہی ماہ پارہ بریلی میں ہے
یا حبیب خدا یا رسولِ خدا جب کسی مردِ مومن نے دل سے کہا
خانہ نجد میں زلزلہ آگیا، نجدیت پارہ پارہ بریلی میں ہے

نعت و منقبت کا دور ختم ہونے کے بعد فصیح اللسان حضرت العلام مولانا شاھد رضا مصباحی خطیبانہ انداز سے رونق افروز ہوئے اور اپنا عنوان سخن امام احمد رضا کی فقہی بصیرت میں فرمایا اور اپنے موضوع پر بصیرت افروز روشنی ڈالتے ہوئے امام احمد رضا کے شہرۂ آفاق وصف عشق الرسول کو بھی اُجاگر کیا۔ مولانا موصوف کی تقریر جامع مختصر اور نہایت دلپذیر تھی۔

بعدہٗ "امام احمد رضا کی مکتوب نگاری" کے حوالے سے پی، ایچ، ڈی کرنے والے ریسرچ اسکالر مفکر ملت حضرت علامہ غلام جابر شمس مصباحی کو باصرار دعوتِ خطاب دی گئی۔ علامۃ المؤقر تشریف لائے اور امام احمد رضا کی ہمہ گیر شخصیت پر تادیر روشنی ڈالتے رہے۔ امام احمد رضا کی تعلیمات اور ملت اسلامیہ کی زبوں حالی اور جماعتی انتشار کے تناظر میں پُر درد اور فکر انگیز خطاب فرمایا۔ اخیر میں کہا کہ "آج جگہ جگہ لوگ پیں بجیں ہیں کہ مسلکِ امام احمد رضا کیا چیز ہے" تمثیلی انداز میں جواب دیا کہ "دنیائے اسلام نے ہزاروں محدثین وفقہا پیدا ہوگئے۔ صدہا مجموعہ ہائے احادیث مرتب ہوئے اور فقہائے اسلام کی فقہی کاوشوں سے پوری ملت اسلامیہ زیر بار احسان ہے۔ درسگاہیں، دانشگاہیں اور لائبریریاں اسلامی کتب و دراسات سے جگمگا رہی ہیں۔ مگر فن حدیث میں "بخاری شریف" اور فقہ میں "ہدایہ" کو جو مقبولیت عامہ حاصل ہوئی وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ اسی طرح دور حاضر میں امام احمد رضا کی تصانیف کو جو شہرت لازوال و غیر فانی مقبولیت اور کمیت و کیفیت ہر دو کے اعتبار سے جو اُن کی ضرورت و اہمیت ہے۔ اس سے کوئی مرد دانا انکار ہرگز نہیں کرسکتا۔

تیرھویں اور چودھویں صدی میں جو قیامت آشوب حادثات اور سانحات رونما ہوئے اور استعماری قوتوں کے زیر اثر جتنے مذہبی فرقے و فتنے پیدا ہوئے۔ اس دور بلاخیز سے پہلے تاریخ برصغیر میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ ان تمام مذہب بیزار حادثوں و سانحوں اور اسلام آزار فرقوں وفتنوں کا جواب و دفاع گو کئی شہروں نے دیا اور کئی شخصیتوں نے کیا جو اپنی جگہ وہ ایک اہم اور تاریخی ریکارڈ ہے۔ مگر کوئی جائے مفر نہیں کہ من حیث المجموع امام احمد رضا ان میں سرخیل اور سرگروہ کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ توفیق ایزدی اور تائید غیبی سے امام علام کے رشحات قلم نے وقت کے اُبھرتے ہر فرقہ و ہر فتنہ کا ناطقہ بند کردیا۔ یہ وہ طرۂ امتیاز اور طغرائے اختصاص ہے جو محض اور محض امام احمد رضا ہی کو زیب دیتا ہے۔"

علامۃ المؤقر کا یہ نقطہ بھی بڑا معقول تھا کہ دینِ حنیف کا جو چراغ خطۂ ہند میں حضرت غریب، حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت مخدوم سمناں وغیرہ نے جلایا تھا۔ دہلی، لکھنو، بدایوں، جونپور، رامپور، کچھوچھہ،

مارہرہ، عظیم آباد اور دوسرے مراکز علمیہ و روحانیہ نے فانوس بن کر اس کی حفاظت کی۔ تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں وہی چراغ بجھ رہا تھا، ڈوب رہا تھا، لو دھیمی پڑ رہی تھی، اسی جاں بلب چراغ ملت کو امام احمد رضا نے نہ صرف یہ کہ از سر نو روشن کیا بلکہ اس کی لو اور بھی تیز سے تیز تر ہو گئی۔ اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ یہ وہی چراغ ہے جسے شہنشاہ جیلاں، ائمہ اربعہ، تابعین، خلفائے راشدین و صحابہ حتی کہ مدنی آقا کمی دولہا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کے سب سے بڑے مرکز طاق حرم میں فروزاں کیا تھا۔ معلوم ہوا کہ امام علام نے نہ تو کوئی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائی، نہ کوئی نیا خیمہ نصب کیا اور نہ کوئی دیوار اٹھائی اور نہ کوئی نیا مسلک ایجاد کیا۔ بلکہ مسلک امام احمد رضا چودہ سو سالہ متواتر و متوارث عقائد و روایات کا نقیب و نمائندہ ہے۔ ہاں! بلاشبہ یہ پوری صدی ان کی خدمات کے اعتراف میں ان کے نام سے منسوب ہے۔ اور امام احمد رضا نہ کہ صرف اس صدی بلکہ کئی صدیوں کی سب سے بڑی شخصیت اور عبقریت کے حامل تھے۔ ہماری قوم کی صلاح و فلاح اور دارین کا نجاح اسی میں کہ امام احمد رضا کے متعین کردہ خطوط کو مرکز اتحاد اور نقطۂ اتفاق بنا کر اپنے کاروانِ فکر و عمل کو آگے بڑھائے۔ اور اسی کے ذریعے دین دشمن سازشوں کا جال تار تار کردے۔ خداوند قدوس ہم سب کو اس کی توفیق ارزانی فرمائے۔"

علامۃ المؤتمر کا خطاب علمی و تاریخی نقطوں سے لبریز اور فکر و شعور اور اخلاص و دینی دردمندی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بایں وجہ سامعین نے اپنے اندر ایک نئی روح اور ایک نیا انقلاب محسوس کیا۔ پھر صلوٰۃ و سلام ہوا، گڑگڑا کر دعائیں مانگی گئیں اور تقسیم شیرینی کے بعد یہ یادگار اجلاس ۲ر بجے شب کو اختتام پذیر ہوا۔

سلیم پور میں بزمِ رضا کا انعقاد

سلیم پور ضلع دیوریا کا ایک پرانا تاریخی قصبہ ہے۔ جہاں تقریباً عرصہ پچیس چھبیس سال سے ایک دینی ادارہ بنام "دارالعلوم غوثیہ" چل رہا ہے۔ جس کے ذریعہ سے اس علاقہ میں مسلکِ اہل سنت اور فکرِ رضا کی خوب خوب ترویج و اشاعت ہو رہی ہے۔ بفضلہ تعالیٰ اس علاقہ میں تقریباً ۹۰ فیصد خوش عقیدہ سنی مسلمان ہیں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے نام لیوا ہیں۔ عرسِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے پہلے دن (۲۳ر صفر المظفر ۱۴۲۲ھ/ ۱۸ر مئی ۲۰۰۱ء بروز جمعہ) قصبہ سلیم پور کی شاہی مسجد کے خطیب و امام حضرت مولانا مظاہر الحق صاحب مصباحی صدر المدرسین دارالعلوم غوثیہ قصبہ سلیم پور نے اعلیٰ حضرت کی دینی خدمات پر بڑی ہی بصیرت افروز تقریر فرمائی اور آپ نے اپنے اس مختصر خطاب میں امتِ مسلمہ کو یہ پیغام دیا کہ جب شرپسند انگریزوں نے ہندوستان سے جاتے جاتے مسلمانوں کو مختلف جماعتوں میں بانٹ دیا تو اس پُرفتن دور میں کوئی تقلید کا انکار کرتا ہوا نظر آرہا تھا، کوئی نبوت کا دعویٰ کررہا تھا کوئی علم غیب رسول کا منکر ہو گیا۔ جب امام احمد رضا نے اس بگڑے ہوئے ماحول کو دیکھا تو آپ نے ایک نائب رسول اور مبلغ صالح ہونے کی حیثیت سے ان باطل فرقوں کا مجاہدانہ مقابلہ کیا اور خوش عقیدہ مسلمانوں کو بتایا کہ اے مسلمانو! یہ دین کے دشمن ہیں ان کی پیروی گمراہی کا سبب ہے۔ آپ نے ان کی تردید میں سیکڑوں کتابیں لکھیں جنھیں پڑھکر آنکھوں کو سکون اور دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح سے آپ نے تاحین حیات دشمنانِ اسلام کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور ہر نازک موڑ پر بھولے بھالے مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی۔ اے قوم کے جیالو! جان لو اس نازک دور میں اگر امام احمد رضا قدس سرہ نے اسلامیانِ ہند کی رہنمائی نہ کی ہوتی اور ان کے مقابلے میں تصلب فی الدین کا مظاہرہ نہ کیا ہوتا تو آج

ہم صحیح اسلامی تعلیم سے محروم ہوتے۔ قربان جاؤ امام احمد رضا پر کہ آپ نے ہمیں ہر موڑ پر سہارا دیا اور ادیان باطل کے مکر و فریب سے دور رکھ کر رسولِ عالی وقار ﷺ کی سچی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرمائی۔ پروردگارِ عالم ان کی تربت پر رحمت و انوار کی بارش برسائے۔ اور ہمیں ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

۲۵ر صفر المظفر ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰ر مئی ۲۰۰۱ء بروز اتوار دار العلوم غوثیہ کے ہونہار طلبہ نے سابقہ روایت کے مطابق بزمِ رضا کا انعقاد کیا۔ یہ بزم دار العلوم کے سرگرم استاد مولانا نوید اختر مصباحی کی سرکردگی میں اپنی منزلوں کی طرف رواں دواں رہی۔ طلبہ دار العلوم نے تقریری مظاہرے بھی کئے۔ یہ دور بعد ظہر سے عصر تک چلتا رہا اخیر میں یہ مجلس مولانا نوید اختر مصباحی صاحب نے اعلیٰ حضرت کی تعلیمات اور ان کے معمولات و معتقدات کی روشنی میں کچھ دیر ناصحانہ خطاب کیا۔ اور صلوٰۃ و سلام کے بعد آپ کی دعاؤں پر مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

☆......☆......☆......☆

امام احمد رضا کی بارگاہ میں ایک سید کی سفارش

علماء و مخلصین اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی خدمت اقدس بابرکت میں دار العلوم کے قیام کی اہمیت و ضرورت کی درخواستیں پیش کرتے مگر اعلیٰ حضرت اپنے علمی و تحقیقی قلمی جہاد کے باعث وقتی طور پر عذر پیش کرتے۔ اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت علیہ الرحمۃ کے مزاج شناس احباب و متوسلین نے حضرت قبلہ سید امیر احمد صاحب کو اس سلسلہ میں واسطہ بنایا۔ حضرت قبلہ سید صاحب آپ کے خوشہ چینوں میں سے تھے۔ اکثر و بیشتر دیگر احباب کے ساتھ خدمت میں موجود رہتے۔ ایک دن موقع پا کر حضرت سید صاحب نے نہ صرف ایک دینی مدرسہ کے قیام کا تذکرہ کر دیا بلکہ پُر زور سفارش کرتے ہوئے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت سے فرمایا کہ "حضرت! اگر آپ نے اہل سنت و جماعت کی بقا اور اس کی ترویج و اشاعت کیلئے مدرسہ قائم نہیں فرمایا اور بدمذہبوں، وہابیوں، دیوبندیوں، مرزائیوں وغیرھم کی تعداد میں یونہی اضافہ ہوتا رہا تو میں قیامت کے دن آپ کے آقا و مولیٰ جان ایمان شفیع المذنبین ﷺ کی بارگاہ میں آپ کے خلاف نالش کروں گا۔" یہ سننا تھا اور وہ بھی ایک سیّد زادہ کی زبان سے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ لرزہ بر اندام ہو گئے۔ آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور اسی حال میں قال کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا سید صاحب آپ کا حکم میرے سر اور آنکھوں پر مدرسہ ضرور قائم کیا جائے۔ میں اس کے لیے زیادہ وقت تو نہیں دے پاؤں گا البتہ جب بھی ضرورت پڑے گی میں اس سے الگ نہیں رہوں گا۔ ہاں اس کے پہلے ماہ کا کل خرچ میں خود ادا کروں گا پھر بعد میں دوسرے لوگ اس کے اخراجات کو سنبھال لیں۔

(ماہنامہ اعلیٰحضرت کا صد سالہ منظر اسلام نمبر۔ مئی ۲۰۰۱ء صفحہ نمبر ۱۳۶)

اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے ۱۵۰ سالہ جشنِ ولادت پر اعلیٰحضرت کی وصیت کی تعمیل میں ایک عظیم پیش رفت

مفتیان شرع متین علمائے ربانیین سے مودبانہ گذارش

حسام الحرمین و الصوارم الہندیہ پر تصدیقات فرمائیں اور مسلک اعلیٰ حضرت کو تقویت پہنچائیں۔

۱ حسام الحرمین شریف کے خلاف جس عدم اعتماد کی سازش پر بے چین ہو کر حضور شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمۃ نے ۲۶۸ تصدیقات کے ساتھ ۱۳۴۵ھ میں ۲ الصوارم الہندیہ کو شائع کرنا ضروری جانا تھا وہ عدم اعتماد کی سازش آج بھی برابر جاری ہے۔

لہٰذا امت کی ہدایت و استقامت اور حضور شیر بیشۂ سنت، حضور مشاہد ملت، حضور بدر ملت، حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہم الرحمۃ والرضوان کی دیرینہ تمناؤں (الصوارم الہندیہ کی مزید تصدیقات کے ساتھ اشاعت) کو پورا کرنے کے لئے حضور امین ملت الحاج ڈاکٹر سید محمد امین میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف کی طرف سے الصوارم الہندیہ بہت جلد شائع ہونے جا رہی ہے۔

گذارش ہے قرآنی حکم "نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو" کی تعمیل میں

الصوارم الھندیہ علیٰ مکر شیاطین الدیوبندیہ کی مختصر تصدیقات

الجواب صحیح"، صح الجواب، اصاب من اجاب، فتاویٰ مبارکہ حسام الحرمین بے شبہ حق و صواب مطابق سنت و کتاب ہے حسام الحرمین معتبر اور مستند واجب العمل فتویٰ ہے، حسام الحرمین فتاوائے علمائے حرمین طیبین حق و بجا ہے اور جملہ مسلمانان عالم کا فرض اولین ہے کہ اس کو مانیں اور حق جانیں) کے مطابق اسی نیاز مندانہ معروضہ پر اپنی دستخط ثبت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

حضور شیر بیشۂ سنت کی مرتبہ اور مطبع اہلسنت برقی پریس مراد آباد کی مطبوعہ الصوارم الھندیہ کے سرورق کا مضمون

"کتاب حسام الحرمین شریف میں مسلمانوں کو آفتاب سے زیادہ روشن طور پر دکھایا کہ طوائف قادیانیہ و گنگوہیہ و نانوتویہ، و تھانویہ و انبٹھویہ، و وہابیہ و دیوبندیہ نے خدا اور رسول کی شان کو کیا کچھ گھٹایا علمائے حرمین شریفین نے بہ اجماع امت ان سب کو کافر مرتد زندیق فرمایا جو ان کے کفر و عذاب میں شک کریں وہ بھی کافر ہیں ان سے میل جول سلام کلام ان کے ساتھ کھانا پینا ان کے جنازے پر یا ان کے پیچھے نماز پڑھنا ان کے ساتھ شادی بیاہ کرنا ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا غرض ان کی موت و زندگی میں ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا کوئی برتاؤ کرنا قطعاً حرام و زہر و بیخ کنِ اسلام ہے۔

تصدیق:-

دستخط　　　　نام و مکمل پتہ:

حسب التماس بزم رضا اہلسنت قادری منزل ۱۳۳/ ۱۶ داؤد پورا برہان پور (ایم. پی) فون: رہائش ۵۴۶۲۷، آفس ۵۵۹۴۷

۱ حسام الحرمین شریف دیوبندیوں پر مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کی شمشیر آبدار ہے۔

۲ اور الصوارم الہندیہ شیاطین دیوبند کے مکر و فریب پر ہندی تیغ برق بار ہے۔

رضا نامے

محمد عیسیٰ رضوی قادری الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم گرسہائے گنج، قنوج (یوپی)

آپ کا ارسال کردہ سہ ماہی مجلّہ ''افکار رضا'' باصرہ نواز ہوا دیکھنے اور پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی یہ مجلّہ فکر رضا سے ہم آہنگ اور امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے افکار ونظریات کا داعی اور ترجمان ہے، اور یہ بھی خیال گزرا کہ جس طرح ''جہان رضا'' (لاہور) پاکستانی علماء اور دانشوروں کی رضا دوستی کا نقیب وعلمبردار ہے اسی طرح ''افکار رضا'' ممبئی بھی ہندوستانی ارباب علم ودانش کے فکر رضا سے متعلق داعیہ کا آئینہ دار ہے، گو یہ کہ تخصیص وتقسیم من کل الوجوہ درست نہیں مگر امام احمد رضا کے مسلک ومشن اور ان کی فکری ونظری اور اسلامی تحقیقات کی ترویج وتشہیر میں یہ دونوں مجلّے ہند وپاک کے اہل علم کے مابین قدر مشترک ہیں۔

یوں تو رسالوں اور ماہناموں کی کمی نہیں، لیکن اگر اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے کہ ہندوستان میں خالص رضویات پر مشتمل معلومات وتحقیقات کا فتح باب جس نے کیا ہے وہ ''افکار رضا'' ہے۔ حالانکہ قرطاس وقلم سے بیگانگی کے اس خوفناک دور میں کسی ایسے مسافر کو راستہ دکھانا جو کسی اجنبی شہر کی گلیوں میں کھو گیا ہو، ایک کرشمہ اور خرق عادت سے کم نہیں، جبکہ یہ دور تکنیکی اور میڈیائی کہلاتا ہے جہاں ہر فرد بشر ایک صدی آگے دیکھنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، جہاں اسباب ووسائل کی ریل پیل ہے اور ترقی کی شاہراہ پر ہر انسان کھڑا مسکرا رہا ہے اور مادیت واجتماعیت کے سہارے آگے کی طرف رواں دواں ہے۔ وہیں پر ہماری کس مپرسی اور انفرادیت وبدنظمی، ہمارے عروج وترقی اور علمی افادہ واستفادہ کے لئے سدِّ راہ بنی ہوئی ہے۔ جبکہ ہم روحانیت، اخوت ومساوات اور عدل وانصاف کے قائل ہیں۔ اس کے باوجود جب ہم اپنی زبوں حالی اور شیرازۂ ملت کا انتشار دیکھتے ہیں تو خون کے آنسو نکل پڑتے ہیں اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہمارا جمود وتغافل ہمیں پیچھے دھکیل رہا ہے اور ہمیں خبر نہیں، اور ہم ہیں کہ صرف اپنے وجود پر نازاں وفرحاں ہیں، حالانکہ ہمارا ملی ومذہبی تشخص بگڑ رہا ہے، اس پر اغیار کا تسلط واقتدار ہو رہا ہے۔ ہم نے اپنے مذہبی تشخص ووقار کو کھو دیا ہے لیکن ہمارے جو علمی اثاثے اور روحانی اقدار ہیں آج ہم انہیں بھی بے دریغ اپنے ہاتھوں سے دفن کر رہے ہیں گویا کہ ہم اپنی قبر خود کھود رہے ہیں، اس ماتم میں کون ہے جو ہمارا مرثیہ پڑھے، کون ہے جو ان بھول بھلیوں سے ژولیدہ حالوں کو نکال دے۔

مجدد ملت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی خدمات وافکار عالیہ کی ترویج واشاعت اور ان کے علمی سرمایہ کی حفاظت وصیانت آج ہمارے لئے ایک چیلنج اور بڑا کام ہے، ویسے کئی دہائیوں سے رضویات پر تحقیقات اور نوع بنوع کام ہو رہا ہے مگر شاید وہ اپنے نقطۂ آغاز سے زیادہ دور نہیں ہے حالانکہ اس ترقی یافتہ دور میں ان کے علمی متروکہ سرمایہ پر کام اور تلاش وتحقیق سطح ارتقاء اور بام عروج پر ہونا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج تک ان کی سوانح حیات پر کوئی جامع کتاب مرتب نہ ہو سکی جس سے ان کی زندگی کے تمام

گوشے واضح و آشکار ہو جاتے۔ ملک و بیرون ملک کے دانشور حضرات اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ امام احمد رضا پر اب تک کتنا کام ہونا چاہیے اور ابھی کتنا ہوا ہے۔ کیونکہ جس سمت نگاہ اٹھتی ہے اسی جانب ان کے علم و تحقیق اور ان کے عشق و عرفان کا سمندر موجیں مار رہا ہے اور ہر صنف سخن میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک جہان حیرت اور وقت کی ضرورت ہیں، وقت کی پکار ہیں امام احمد رضا، وقت کی آواز ہیں امام احمد رضا، ان کا دل نواز پیغام ہمارے امن و سلامتی کا ضامن اور ان کے علمی سرمایہ کا فروغ و استحکام ہمارے لئے ذریعۂ ترقی ہے، ورنہ یہ خود فریبی و خود فراموشی ہوگی کہ میخانے کے خالی خالی جام و سبو کو شراب آرزو سے لبریز کہا جائے اور لبوں تک جام آنے سے پہلے ہی میخوار مدہوش ہو جائے۔

امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف اور نادر موضوعات پر ایک ہزار سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں اور اپنے علمی جاہ و جلال سے قوم و ملت کی شیرازہ بندی کی اور پیغام لوح و قلم کو استوار و عام کیا۔ اس طرح ان کا قلمی وقار اور علمی رعب اغیار بھی تسلیم کرنے لگے۔ مگر ایک صدی ختم ہونے کو ہے اس کے باوجود ہم کماحقہٗ ان کی تصنیفات و یادگار سے استفادہ نہ کر سکے اور نہ خاطر خواہ ان کی اشاعت ہو سکی۔ امام احمد رضا ہی وہ تنہا شخص ہیں جس نے مختصر سی مدت میں قوموں کا مزاج بدل دیا اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کر کے شاہراہ ترقی پر گامزن کیا، اور مذہب و ملت پر ہونے والے حملوں سے قوم کو بروقت آگاہ و خبردار کیا اور ان کے ناتواں ہاتھوں میں علم و آگہی کا وہ اسلحہ دیا جس سے باطل طاقتیں لرزہ براندام ہو گئیں۔

مگر آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی ترجمانی کی جائے اور ان کے پیش کردہ مسلمات میں جدت طرازیاں اور رنگ آمیزیاں کی جائیں کیونکہ آپ نے مراسم اسلامیہ کو استدلال کی زبان عطا کی ہے اور مردہ مسائل و سنن کو قوت گویائی کی لذتوں سے آشنا کر دیا ہے، یعنی امام احمد رضا کی تحریر و تصانیف کو ایسے جدید انداز اور نئے ڈھنگ سے پیش کیا جائے جو عصر حاضر کے تقاضوں اور موجودہ ضروریات کو پورا کریں کہ بات تو اپنے امام کی ہو مگر اسلوب تحریر بدل دیا جائے اور ہر بات کو حوالوں سے مزین و آراستہ کر کے پیش کیا جائے تاکہ مخاطب یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے کہ بات واقعی قابل تسلیم اور ناقابل انکار ہے، کیونکہ جو بھی کہا گیا ہے وہ اسلامی ورثے کے حوالے سے کہا گیا ہے۔ اس طرح ہم اپنے امام کے فرمودات و تحقیقات کو گھر گھر پہنچا سکیں گے ورنہ یہ المیہ کیا کم ہے کہ جس کتاب کے سرورق پر امام احمد رضا کا نام لکھا رہتا ہے اسے متعصبین و مبتدعین دیکھتے ہی چراغ پا ہو جاتے ہیں اور ان کے خلاف طرح طرح کی بکواس و خرافات سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کی اشاعت روک دی جائے بلکہ انھیں ایسے حسین پیرائے میں پیش کیا جائے کہ مخالفین ان کا احترام کرنے پر مجبور ہو جائیں اور ان کی علمی سطوت و شوکت کو برملا تسلیم کرلے اور جویائے حق راہ راست پر گامزن ہو جائے۔

کسی بھی موضوع سے متعلق قلم اٹھانے سے پہلے جدید عنوان اور نئی بحث کا انتخاب ضروری ہے ورنہ اگر عنوان و موضوع آثار قدیمہ میں سے ہے یا فرسودہ ہے یا ایسا ہے جس پر بارہا لکھا گیا ہے تو اس کا مثبت اثر

مخاطب یا قاری پر بالکل نہیں پڑتا۔ جبکہ ہمارے یہاں عناصر یا مواد کی کوئی کمی نہیں ہاں اگر کمی ہے تو وہ انتخاب و امتیاز کی کمی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے جب ہم اغیار کے بازار کی سیر کرتے ہیں تو ان کے گلی کوچے میں عنوانات و موضوعات کا وہ حسنِ انتخاب نظر آتا ہے جس سے نگاہیں جھک جاتی ہیں گو کہ وہ اس انتخاب اور سلیقہ مندی میں بھی ٹھوکروں اور لغزشوں سے محفوظ نہیں ہیں، اس کے باوجود غیر جانبدار قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم روحانیت کے قائل ہیں اور وہ مادیت کے، لیکن دونوں کے درمیان فرقِ بین کے باوجود کچھ لوگ مادیت کے دلدادہ ہیں اور اسی کو پسند کرتے ہیں۔ مگر ہم کو اپنی روحانیت فنا نہیں کرنی ہے اور نہ مادیت کا بالکلیہ سہارا لینا ہے، لیکن اس سے مفر نہیں کہ اسباب و علل کے اس مادّی دور میں مادیت ہی ظاہر پرستوں کا مرکزِ توجہ ہے اس لئے ہمیں روحانیت کو پیش کرنے کے لیے آج مادیت کا سہارا لینا پڑے گا ورنہ اس کے بغیر ہم صدیوں پیچھے چلے جائیں گے اور ہمارا قافلۂ حیات رک جائے گا۔

آج ہر چہار جانب بدعقیدگی اور لاقانونیت کا راج اور تسلط ہے اور خوش عقیدہ مسلمانوں کو مبتدعین و مخترعین اپنے دامِ تزویر میں پھنسانے کے لئے سبز باغ اور لہلہاتا ہوا چمن دکھاتے اور ان کے ایمان و عقیدے پر نشتر زنی کرتے ہیں تو ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔ ایسے وقت میں امام احمد رضا کی تحقیقاتِ علمیہ و قلمی ورثہ و عقائدِ حقہ کی دستاویز ان کے ہاتھوں میں دینا ہی عین اسلامی اور دینی علمی عظیم خدمت ہے، کیونکہ امام احمد رضا حق کے داعی و نقیب اور ہمارے علمی و اصلاحی قائد و رہنما ہیں۔

محمد ابوالفرید رضوی مصباحی، مدرسہ قادریہ سلیمیہ، چاند پورہ، چھپرہ۔ بہار

آپ کا سہ ماہی رسالہ "افکار رضا" جلد ۷ شمارہ ۱، باصرہ نواز ہوا۔ شکریہ!

سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کیلئے خالصۃً لوجہ اللہ آپ کا یہ قدم لائق مبارکباد ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اس خدمتِ دین کو اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ میں قبولیت سے سرفراز فرمائے اور مزید توفیق عطا فرمائے آمین!

رسالے کے تمام مضامین قابل داد ہیں خاص طور سے ڈاکٹر صابر سنبھلی زید مجدہ کا مضمون "کنزالایمان کا لسانی جائزہ" بہت ہی پسند آیا۔ بغور مطالعہ کرنے کے بعد معلومات میں مزید اضافہ ہوا۔ اور اردو زبان پر ڈاکٹر صاحب کی مہارت کا بھی اندازہ ہوا۔ کنزالایمان کے تعلق سے اس طرز کا کوئی مضمون اس سے قبل میری نظر سے نہیں گذرا۔ یقیناً اس اولیت کے سہرے کے وہی مستحق ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے مضمون کے متعلق چند باتیں عرض کرنے کی جسارت کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ (۱) ڈاکٹر صاحب ترجمہ لکھنے سے پہلے آیت بھی لکھ دیتے تو ایک غیر حافظ عالم کو الفاظ و معانی کے مطابقت پر غور کرنے کیلئے مزید زحمت کی ضرورت نہ پڑتی۔ (۲) اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا رضی المولیٰ عنہ کے ترجمے کے مقابل جن ترجموں کو پیش کیا گیا ہے اگر مترجمین کے عقائد کو واضح کردیا جاتا تو ان حضرات کی معلومات میں مزید اضافہ ہوجاتا جو اب تک ناواقف ہیں۔ (۳) ڈاکٹر صاحب نے صرف علامہ محمود الحسن اور شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے تراجم پیش کیے ہیں اگر اسی مضمون کے ضمن میں وہابیوں کے مزید ترجمے پیش کرکے سب کا لسانی جائزہ

لیتے تو ایک ہی ساتھ ہر ایک کی حقیقت طشت از بام ہو جاتی نیز الگ سے مضمون نگاری کی زحمت سے بھی نجات مل جاتی اور مضمون نگار کی وسعت مطالعہ کا بھی اندازہ ہوتا۔

محمد حسین مشاہد رضوی رضا اکیڈمی، اسلام پورہ۔ مالیگاؤں (ناسک)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے عزت مآب ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کے جتنے بھی مضامین اب تک خاکسار کی نظروں سے گزرے ہیں وہ تمام ہی دیگر محققین رضویات کی بہ نسبت منفرد اور نئے انداز سے حضور اعلیٰ حضرت کے فکر و فن کے ان گوشوں پر مبنی ہوتے ہیں جن کے تعلق سے تاہنوز تشنگی محسوس کی جارہی تھی۔ "افکار رضا" میں جاری قسط واری مقالہ "ترجمۂ کنزالایمان کا لسانی جائزہ" بھی اپنے اندر انفرادیت لئے ہوئے ہے۔ مذکورہ مقالہ کی قسط۲، (جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء میں ڈاکٹر موصوف نے حضرت علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری رضوی صاحب قبلہ دامت برکاتہم (چریا کوٹ) کے تصحیح فرمودہ نسخۂ کنزالایمان کی طباعت واشاعت کے تعلق سے ایک دور بھری فریاد کی ہے۔ واضح ہو کہ رضا اکیڈمی شاخ مالیگاؤں نے حضور نعمانی صاحب قبلہ اور رضا اکیڈمی کے چیف مجاہد سنیت الحاج محمد سعید نوری صاحب قبلہ مدظلہ کے حکم و سرپرستی میں مذکورہ نسخۂ کنزالایمان کی طباعت واشاعت کا کام انجام دیدیا ہے۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کی اپیل و فریاد رضا اکیڈمی تک تصحیح شدہ کنزالایمان شریف کی اشاعت کے بعد پہنچی ہے۔ بہر کیف! حضرت علامہ نعمانی صاحب قبلہ کی نظر ثانی کے بعد پہلی مرتبہ شائع شدہ، ترجمۂ قرآن کنزالایمان میں شامل مشکل الفاظ کی تشریح، علامہ محمد منشا تابش قصوری کی مرتب کردہ فہرست مضامین القرآن ترجمہ، تفسیر اور متن قرآن کی جملہ اغلاط کتابت کی تصحیح اور علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب قبلہ کے کنزالایمان اور دیگر اردو تراجم قرآن کے تقابلی مطالعہ پر مبنی مضمون جیسی اہم اور منفرد خصوصیات و خوبیوں سے سجے سنورے اس نسخۂ کنزالایمان کا اجراء امسال ۲۳ر صفر المظفر ۱۴۲۲ھ کو بریلی شریف میں منعقد عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر انٹرنیشنل امام احمد رضا کانفرنس میں حضور جانشین مفتی اعظم، تاج الاسلام والمسلمین، حامل لوائے قادریت، وارث علوم رضا حضور مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری بریلوی دامت برکاتہم القدسیہ کے مقدس ہاتھوں عمل میں آرہا ہے۔ اس گونا گوں خصوصیات کے حامل کنزالایمان کو اسلامیہ انٹر کالج میں لگائے گئے رضا اکیڈمی ممبئی کے اسٹال پر رضا اکیڈمی مالیگاؤں کی طرف سے رعایتی ہدیہ ۱۰۰ روپے میں فراہم کیا جائے گا۔ نیز ۲۵ر صفر المظفر ۱۴۲۲ھ سے قبل بذریعہ پوسٹ رضا اکیڈمی مالیگاؤں پر ایڈانس بکنگ کروانے والے حضرات کو ۱۰۰ روپے میں یہ نسخہ دیا جائے گا بعد میں موصول ہونے والے کارڈس کیلئے یہ سہولت نہیں ہوگی۔

اجراء کے پروگرام کی تفصیلی رپورٹ آئندہ "افکار رضا" کو ارسال کی جائے گی۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی تک رضا اکیڈمی مالیگاؤں کے صدر ڈاکٹر رئیس احمد رضوی، شکیل احمد سبحانی، عقیل احمد رضوی، سلیم شہزاد رضوی اور دیگر اراکین کا سلام پہنچادیں۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ انھیں بھی یہ نسخہ بھیجا جائے گا۔

منظر اسلام مرکز اہل سنت کیوں ؟

از: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

کسی بھی مرکز یا دبستان کو یوں تو کسی مقام، شہر یا ادارہ سے منسوب کردیا جاتا ہے لیکن یہ کسی فرد یا افراد ہی کی وجہ سے وجود پذیر ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے بریلی شریف کو شرافت اور مرکزیت کا شرف امام احمد رضا کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ لیکن بریلی شریف کی مرکزیت ظاہر ہے امام احمد رضا ہی کی کسی یادگار کو ہونا چاہیے اور ایک دینی، تعلیمی ادارہ ہی مرکز کہلانے کا صحیح حقدار ہوسکتا تھا۔ پس عہد رضا ہی میں برصغیر کے علماء و مشائخ نے اسے مرکز اہل سنت تسلیم کرلیا۔ جیومیٹری کے اصول سے مرکز محض ایک نقطہ ہوتا ہے جس کی لمبائی، چوڑائی، اونچائی، موٹائی نہیں ہوتی کمیت و کیفیت دونوں اسی کے رہین منت ہوتے ہیں۔ مرکز سے نصف قطر (Radius) نقطہ نقطہ کر کے بڑھتا چلا جائے تو دائرہ پھیلتا چلا جاتا ہے۔ نصف قطر، قطر، محیط، اور رقبۂ دائرہ میں مرکز ہی کا نقطہ کارفرما ہوتا ہے۔ یہی نقطہ ایک برق، ایک جوہر اور روح کی مانند دائرہ کے اندر اس کے محیط، قطر، نصف قطر، زاویہ اور گوشہ گوشہ میں دوڑتا رہتا ہے، سرایت کئے رہتا ہے۔ منظر اسلام کے اوّلین فارغین میں سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ۱۹۳۷ء میں "دارالعلوم مظہر اسلام" قائم فرمایا۔ منظر کا دائرہ بڑھا۔ مظہر میں منظر جلوہ ریزیاں کرنے لگا۔ ملک العلماء، برہان ملت، مولانا حامد علی فاروقی، مفتی غلام جان ہزاروی، وغیرہ فضلائے منظر اسلام کے ذریعہ اس کا دائرہ پٹنہ، جبل پور، رائے پور اور ہزارہ تک پہونچا۔

دور حجۃ الاسلام، دور مفسر اعظم اور دور ریحان ملت کے فارغین میں سے اگر صرف چند مشاہیر ہی کو لے لیں، مثلاً حافظ ملت، محدث اعظم پاکستان، شیر بیشۂ اہل سنت، مولانا تقدس علی خان، مفتی ظفر علی نعمانی رحمۃ اللہ علیہم۔ مولانا عبدالواجد، علامہ اختر رضا خان صاحب ازہری، مولانا سید عارف صاحب، مولانا صفی، مولانا محمد حنیف، مولانا منان رضا خان منانی میاں، مولانا احمد مقدم، مولانا عبدالہادی وغیرہ تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا دائرہ برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش سے ہوتا ہوا ہالینڈ، برطانیہ، افریقہ تک پھیلتا چلا گیا۔ حضور حافظ ملت نے الجامعۃ الاشرفیہ کی بنیاد رکھی، محدث اعظم پاکستان نے دارالعلوم مظہر اسلام فیصل آباد قائم کیا۔ مولانا تقدس علی خان رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم راشدیہ پیر جوگوٹھ (پاکستان) قائم کیا۔ مفتی ظفر علی نعمانی نے دارالعلوم امجدیہ، کراچی کی بنیاد رکھی، حضرت مولانا منان رضا خان منانی میاں صاحب نے حضرت مفتی اختر رضا خان صاحب قبلہ کی سرپرستی میں جامعہ نوریہ رضویہ قائم کیا۔ ظاہر ہے کہ ان تمام اداروں میں منظر اسلام ہی کا جلوہ ہے اسی کا جوہر ہے۔ منظر اسلام کے چراغ سے کتنے چراغ جلے، کہاں کہاں اس کی روشنی نہیں پہنچی۔ علاوہ اس کے شیر بیشۂ اہلسنت نے پیلی بھیت سے لے کر گجرات اور رنگون تک نام امام احمد رضا اور ان کی یادگار منظر اسلام کے جلوے بکھیرے، منظر دکھائے۔ ہالینڈ، برطانیہ اور افریقہ میں موجود منظر اسلام کے فضلاء و قراء نے ان ممالک اور دور دیسوں میں منظر کی بجلی دوڑا کر ہر سمت نور و توانائی پھیلائی اور اسے مزید وسعت دینے میں مصروف ہیں۔

جو لوگ صرف کمیت کے قائل ہیں وہ انصاف سے کام نہیں لے رہے ہیں۔ کمیت پر کیفیت کو فوقیت حاصل ہے۔ منظر اسلام کی کیفیت ہی میں اس کی کمیت بھی ضم ہے۔ ویسے ظاہری اعتبار سے منظر اسلام کے پاس بھی سب کچھ ہے۔ درس گاہیں، لائبریری، دارالاقامہ، ہال، آفس، دارالافتاء وغیرہ۔

منظر اسلام کو عہد رضا ہی میں مرکز اہلسنت ہونے کا شرف حاصل ہوگیا تھا۔ البتہ عہد بہ عہد امام احمد رضا کے نام اور کارناموں اور خود اپنی علمی عظمت اور مشاہیر فضلاء کی تعلیم و تربیت اور ان کی شخصیات کی تعمیر کی وجہ سے اس کا حلقہ بڑھتا چلا گیا۔ اس کی مرکزیت کو جلاء و ضیاء اور استحکام و توانائی ملتی چلی گئی۔ منظر اسلام کی کیفیت میں وہ کیفیات ضم ہیں جن کے سامنے کمیت ہیچ نظر آتی ہے۔ (ماہنامہ اعلیحضرت کا صد سالہ منظر اسلام نمبر مئی ۲۰۰۱ء)

تحریکِ فکرِ رضا

ہمارے مقاصد:

☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔

☆ علماءِ اہلِ سنّت و جماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکر رضا کی ترویج و اشاعت میں دن رات کوشاں رہنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔

☆ اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔

☆ ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کا امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔

فکرِ رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجئے۔

آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مدد گار ہو گا۔

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی